مسیحؑ کی ہندی انجیل

ترتیب و تحقیق

پیام شاہجہانپوری

◎

انٹرویو : منیر احمد

◎

ملنے کا پتہ

"ادارہ تاریخ و تحقیق" ۲۳/این عوامی فلیٹس ریواز گارڈن لاہور ۵۴۰۰۰

نام کتاب : "مسیحؑ کی ہندی انجیل"

تحقیق و ترتیب : پیام شاہجہان پوری

پرنٹر و پبلشر : محمد محسن (لاہور آرٹ پریس لاہور)

کمپوزنگ : احمد گرافکس

15- رابرٹس روڈ، لاہور فون: 320521

بار اول : جولائی 1994

تقسیم کار : رضی الدین خاں

قیمت : 60-00

ملنے کا پتہ: ادارۂ تاریخ و تحقیق

این /23 عوامی فلیٹس، ریواز گارڈن لاہور 54000

ٹیلی فون نمبر(322313)

پبلشر : لاہور آرٹ پریس

15- نیو انار کلی، لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

میرے عزیز دوست اور نوجوان صحافی جناب منیر احمد نے جو روزنامہ "فرنٹیئر پوسٹ" لاہور سے وابستہ ہیں حضرت مسیحؑ کے واقعہ صلیب کے بارے میں مجھ سے ایک تفصیلی انٹرویو لیا تھا جو کتابی صورت میں "مقام مسیحؑ" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ اس انٹرویو میں منیر احمد صاحب کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے میں نے اپنی یہ تحقیق پیش کی تھی کہ حضرت مسیحؑ کو صلیب پر چڑھایا ضرور گیا مگر رومی حکومت اور علمائے یہود آپؑ کو صلیب پر ہلاک کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے اور اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر جناب مسیحؑ کو صلیبی موت سے بچالیا، اس کے بعد سنت انبیاء کے مطابق آپؑ نے اپنے وطن سے ہجرت کی اور مختلف ممالک کی سیاحت کرتے ہوئے ہندوستان تشریف لائے اور باقی زندگی اسی سرزمین پر گزار کر اور طویل عمر پا کر فوت ہو گئے۔ ہندوستان کے دوران قیام حضرت مسیحؑ نے یہاں کے لوگوں خصوصاً اس ملک میں آباد بنی اسرائیل کو جو تعلیم دی، اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر اور احسان ہے کہ وہ تعلیم محض اس کے فضل و کرم سے مجھے دستیاب ہو گئی جس کا میں نے اپنی کتاب "مقام مسیحؑ" میں "صحیفہ یوز آسف" کے زیر عنوان تعارف کرایا اور تاریخی دلائل نیز اس صحیفے کی اندرونی شہادتوں سے ثابت کیا کہ یہ تعلیم اس مقدس نبی کی ہے جس کا نام مسیحؑ ابن مریمؑ تھا۔

جب یہ کتاب شائع ہوئی تو شکوہ کیا گیا کہ کتاب میں حضرت مسیحؑ کی اس تعلیم (ہندی انجیل) پر جو تبصرہ کیا گیا ہے اور اسے حضرت مسیحؑ کی انجیل ثابت کرنے کے لئے جو دلائل دیئے گئے ہیں وہ تو ۵۶ صفحات پر مشتمل ہیں اور جناب مسیحؑ کی اصل انجیل کے لئے صرف

۱۲ صفحات رکھے گئے ہیں۔ آپؑ کی باقی تعلیم کہاں ہے؟ ضروری تھا کہ جناب مسیحؑ کی یہ ہندی انجیل مکمل صورت میں شامل کتاب کر دی جاتی۔

الحمد اللہ کہ اب میں نے اس شکوے کا ازالہ کر دیا ہے اور جنابِ مسیحؑ کی یہ گم شدہ انجیل جو منتشر حالت میں تھی ریزہ ریزہ چن کر مرتب کر دی ہے، اس کے ساتھ وہ تفصیلی مقدمہ بھی شامل کر دیا ہے جو میری کتاب "مقامِ مسیحؑ" میں "صحیفہ یوز آسف" کے زیرِ عنوان شائع ہو چکا ہے۔ اسے "مسیحؑ کی ہندی انجیل" کا تاریخی پس منظر سمجھنا چاہئے۔ میں نے اسے "مسیحؑ اور یوز آسف ؟" کا نیا عنوان دیا ہے۔ یہ نام اس لئے زیادہ موزوں ہے کہ اس سارے مضمون کی بنیادی تھیم (THEME) ہی یہ ہے کہ مسیحؑ اور یوز آسف دراصل ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ اس مقدمے کا "مسیحؑ کی ہندی انجیل" کے ساتھ شامل کرنا اس لئے بھی ضروری تھا کہ مسیحؑ کی ہندی انجیل میں جناب مسیحؑ کی جو تعلیم اور تمثیلات پیش کی گئی ہیں وہ لوگوں کے لئے اس وقت تک قابل قبول نہیں ہو سکتیں جب تک دلائل سے ثابت نہ کیا جائے کہ یہ تعلیم اور تمثیلات حضرت مسیحؑ ہی کی ہیں ——— اور اس مقدمے (مسیحؑ اور یوز آسف) میں اسی حقیقت کو ناقابلِ شکست دلائل سے ثابت کیا گیا ہے۔

جیسا کہ آئندہ صفحات میں عرض کیا گیا ہے کہ حضرت مسیحؑ کی یہ تعلیم جسے میں نے "مسیحؑ کی ہندی انجیل" کا نام دیا ہے، عبرانی زبان میں تھی مگر ایک سازش کے تحت اسے ضائع کر دیا گیا البتہ حضرت مسیحؑ نے اپنے شاگردوں کو وقتاً فوقتاً جو نصائح فرمائیں ان میں سے بہت سی آپؑ کے شاگردوں کے پاس محفوظ تھیں جنہیں سنسکرت زبان کے ایک فاضل نے کہانی کی صورت میں مرتب کیا اور حضرت مسیحؑ کی ان نصائح کو مکالموں کے انداز میں مختلف کرداروں کی زبان سے ادا کروایا۔ مصنف نے مکالمہ نگاری اور کہانی نویسی کی ضرورتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے بعض غیر متعلق باتیں بھی اس میں داخل کر دیں، کہیں کہیں افسانوی اضافے بھی کر دیئے۔ اس میں کچھ فرضی کردار بھی ہیں خود راجہ "جنیسر" کا نام بھی فرضی ہے اس لئے اصل کتاب (کے تراجم) پڑھتے ہوئے بہت

احتیاط کی ضرورت ہے۔ میں نے پوری احتیاط کی ہے اور کتاب میں سے وہی حصے منتخب کئے ہیں جو واقعی حضرت مسیحؑ کی تعلیمات پر مشتمل ہیں اور مضبوط قرائن و شواہد جن کی صحت کی تصدیق کرتے ہیں۔

ایک نکتہ بطور خاص پیش نظر رکھنے کا ہے اور وہ یہ کہ حضرت مسیحؑ فلسطین کے دوران قیام تمثیلوں میں کلام کیا کرتے تھے ان تمثیلوں سے انجیل مقدس بھری پڑی ہے۔ حضرت مسیحؑ کی اس ہندی انجیل میں بھی بکثرت تمثیلیں ہیں جن کا انداز بیان اور طرز فکر بالکل وہی ہے جو انجیل مقدس کا ہے اس سے صاف طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ دونوں انجیلیں اور ان کی تمثیلیں ایک ہی شخصیت کی زبان سے نکلی ہیں۔ ان میں سے بعض تمثیلیں تو بالکل واضح ہیں اس لئے میں نے انہیں بجنسہٖ درج کر دیا ہے اور بہت سی تمثیلوں کے آخر میں تشریحی نوٹ لکھ دیئے ہیں تاکہ قارئین ان تمثیلوں کے صحیح پس منظر سے آگاہ ہو جائیں۔

خدا کرے میری یہ ناچیز کوشش بار آور ہو، آمین۔

پیام شاہجہانپوری

(۶ر اپریل ۱۹۹۴ء)

این/ ۲۳ عوامی فلیٹس، ریواز گارڈن، لاہور ۵۴۰۰۰

ٹیلی فون نمبر: ۳۲۲۳۱۳

فہرست

عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر

مسیحؑ اور یوز آسف

منیر احمد :- پیام صاحب! آپ کی تحقیق کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام واقعہ ء صلیب کے بعد ہجرت کر کے مشرقی ممالک کی طرف آ گئے تھے اور انہوں نے ہندوستان میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی میرا سوال یہ ہے کہ اس دوران ان پر وحی بھی نازل ہوئی ہو گی' وہ وحی کہاں ہے؟ انہوں نے اپنی قوم بنی اسرائیل کو تعلیم بھی دی ہو گی جو ہندوستان میں آباد تھی وہ تعلیم کہاں ہے؟ کیونکہ انجیل میں تو اس کا ذکر ہی نہیں' انجیل میں تو صرف اس پیریڈ کا ذکر ہے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام فلسطین میں مقیم تھے۔ آخر وہ خدا کے نبی تھے فلسطین سے ہجرت کرنے کے بعد بھی تو ان پر وحی نازل ہوئی ہو گی؟۔

پیام شاہجہانپوری :- منیر صاحب! آپ کا سوال بہت معقول ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اس سارے معاملے کا بہت باریک بینی سے جائزہ لیا ہے اور آپ نے ذہن رسا پایا ہے اب میں آپ کے سوال کا جواب عرض کرتا ہوں۔

حضرت عیسیٰؑ خدا کے رسول اور پیغمبر تھے آپؑ پر فلسطین میں بھی وحی نازل ہوتی تھی اور فلسطین سے ہجرت کرنے کے بعد بھی نازل ہوتی رہی۔ جس طرح آپؑ نے فلسطین میں آباد بنی اسرائیل کو تعلیم دی اسی طرح شام' عراق' ایران' افغانستان' اور ہندوستان وغیرہ ممالک میں آباد اسرائیلیوں کو بھی تعلیم دی۔ اس وحی اور تعلیم کا کچھ حصہ

تو ضائع ہو گیا، کچھ محفوظ ہو گیا جو حصہ محفوظ ہو گیا اس میں بھی آمیزش اور تحریف کر دی گئی۔ جس طرح تورات اور انجیل تحریف سے محفوظ نہیں رہیں اسی طرح حضرت مسیحؑ کی وہ تعلیمات بھی تحریف اور تغیر و تبدل سے محفوظ نہیں رہ سکیں جو ہجرت فلسطین کے بعد کے عہد سے تعلق رکھتی ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کی یہ تعلیمات کچھ تو بدھ لاماؤں کی دستاویزات میں محفوظ ہیں جن میں سے بعض حصوں کا ترجمہ روس کے مشہور مسیحی سیاح اور عالم نکولس نوٹووچ نے اپنی کتاب "THE UNKNOWN LIFE OF CHRIST" میں پیش کیا ہے۔ حضرت مسیحؑ کی زندگی کے اس دور ثانی سے تعلق رکھنے والی تعلیمات کا ایک حصہ "صحیفہ یوز آسف" میں محفوظ ہے۔ اصل کتاب عبرانی میں تھی مگر افسوس کہ اسے غائب کر دیا گیا۔ اس کی داستان بھی بہت دردناک ہے۔۔ کچھ مدت قبل یعنی ۱۹۶۹ء میں لندن سے ایک بڑی وقیع گنہ الارا کتاب شائع ہوئی جس کا نام ہے" THE CRUCIBLE OF CHRISTIANITY " موجودہ عہد کے ممتاز عالم تاریخ اور بہت بڑے دانشور مسٹر ٹائن بی نے اسے ایڈٹ کیا ہے اور اس پر بھرپور مقدمہ لکھا ہے۔ اس کتاب میں اس تلخ حقیقت کا انکشاف کیا گیا ہے کہ:

"دوسری صدی کے ایک بہت بڑے مسیحی عالم اور فلاسفر "مسٹر پنٹی نس"(MR PANTEUNUS) کو جو اسکندریہ کے مسیحی دارالعلوم کے سربراہ تھے معلوم ہوا کہ شمال مغربی ہندوستان میں ہیبرو زبان (عبرانی) میں انجیل کا ایک نسخہ موجود ہے چنانچہ اس مسیحی فاضل نے سفر دور و دراز اختیار کیا۔ ہندوستان پہنچ کر عبرانی زبان کی انجیل کا یہ نسخہ اسے مل گیا۔ وہ اسے اپنے ساتھ اسکندریہ لے گیا۔ مسیحی عالم یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ مغربی دنیا اس انجیل سے قطعاً نا آشنا ہے۔ ایک اور مسیحی عالم "مسٹر جے روم" (MR, JEROME) نے بھی جن کا زمانہ ۳۴۶ عیسوی اور ۴۲۰ عیسوی کے درمیان قرار دیا جاتا ہے اس واقعے کی تصدیق کی ہے۔ ان کی تحقیق کے مطابق اسکندریہ یونیورسٹی کا یہ مسیحی سربراہ عبرانی زبان کی انجیل کا ایک نسخہ ہندوستان سے اسکندریہ لایا تھا لیکن اب وہ ناپید ہو چکا ہے۔ اغلب خیال ہے کہ اسے اس زمانے کے پادریوں نے ضائع کر دیا۔"

(THE CRUCIBLE OF CHRISTIANITY) صفحہ نمبر ۲۷۷ مرتبہ آرنلڈ ٹائن بی مطبوعہ لندن ۱۹۶۹ء)

پادریوں نے نہ صرف شمال مغربی ہندوستان سے دستیاب ہونے والی انجیل کا یہ نسخہ ضائع کر دیا بلکہ اس فاضل مسیحی پروفیسر کے ساتھ جو بے اعتنائی برتی اور اس کی تحریروں کے ساتھ جو سلوک کیا اس کا نتیجہ ہے کہ آج اس کی کسی کتاب کی ایک سطر بھی باقی نہیں۔ یہاں کئی سوال پیدا ہوتے ہیں۔

(ا) اگر شمال مغربی ہندوستان میں عبرانی زبان کی یہ انجیل موجود نہیں تھی تو آج سے قریباً سترہ سو سال قبل جب ہزاروں میل کا سفر کرنا اپنی جان کو خطرات میں ڈالنے کے مترادف تھا، دوسری صدی عیسوی کے اس فاضل پروفیسر کو اس طویل اور انتہائی تکلیف دہ سفر کی تکالیف برداشت کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

(۲) ہندوستان میں عبرانی زبان کی انجیل کا موجود ہونا اس امر کا بین ثبوت ہے کہ اس زمانے میں شمال مغربی ہندوستان میں عبرانی زبان بولنے والے لوگ موجود تھے ورنہ انہوں نے یہ انجیل عبرانی میں کس طرح تحریر کی، انہی کے پاس حضرت مسیحؑ تشریف لائے تھے اور ان میں سے ایک کثیر تعداد نے انہیں قبول کر لیا تھا۔

(۳) یہ مصدقہ حقیقت ہے کہ دوسری صدی عیسوی میں مغربی دنیا اس عبرانی انجیل سے قطعاً ناواقف تھی خود ٹائن بی کی مرتبہ کتاب میں جس کا ابھی حوالہ دیا گیا ہے اس امر کی تصدیق کی گئی ہے کہ اہل مغرب عبرانی زبان کی اس انجیل سے قطعاً ناواقف تھے۔ سوال یہ ہے کہ اگر یہ وہی انجیل تھی جو حضرت مسیحؑ پر فلسطین کے دوران قیام نازل ہوئی تھی، اس سے تو اہل مغرب کو بخوبی واقفیت تھی مگر مصنف کتاب تصدیق کرتا ہے کہ شمال مغربی ہندوستان سے حاصل ہونے والی انجیل سے اہل مغرب قطعاً نا آشنا تھے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ انجیل اس انجیل سے مختلف تھی جو حضرت مسیحؑ پر فلسطین کے دوران قیام نازل ہوئی تھی۔

(۴) (CRUCIBLE OF CHRISTIANITY) کے مصنف کی تحقیق کے

مطابق اور ایک اور مسیحی عالم مسٹر "جے روم" کی تائید و تصدیق کی رو سے اسکندریہ کے پادریوں نے اس انجیل کو ضائع کر دیا۔ سوال یہ ہے کہ یہ انجیل تو مسیحیوں کے "خداوند" کے ارشادات کا مجموعہ تھا اسے تو آنکھوں میں جگہ دینی چاہئے تھی، اسے ہزاروں ہزار کی تعداد میں شائع کرنا چاہئے تھا اور یورپ اور ایشیا کا کوئی مسیحی گھر اس مقدس آسمانی صحیفے سے خالی اور محروم نہیں رہنا چاہئے تھا جبکہ اس مقدس انجیل کو اسکندریہ کے پادریوں نے ضائع کر دیا۔ اس سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ شمال مغربی ہندوستان سے دستیاب ہونے والی اس انجیل میں وہ حالات و واقعات درج تھے جو حضرت مسیحؑ کو ہندوستان میں پیش آئے تھے اور یہ انجیل اس تعلیمات سے آراستہ تھی جو آپؑ نے ہندوستان میں آباد یہودیوں کو دی تھی۔ چونکہ اس انجیل کی اشاعت سے پادریوں کا وہ عقیدہ پارہ پارہ ہو جاتا تھا جس کی رو سے حضرت مسیحؑ صلیب پر فوت ہو گئے تھے اور تیسرے دن اپنی قبر میں جی اٹھے تھے اور پھر اوپر اٹھا لئے گئے تھے اس لئے اسکندریہ کے پادریوں نے اسے ضائع کر دیا البتہ اس کے کچھ حصوں کو سنسکرت زبان کے عالموں نے محفوظ کر لیا تھا، کچھ بدھ علما کی کتب میں محفوظ ہو گئے تھے۔ بعد میں سنسکرت زبان کے کسی عالم اور مصنف نے حضرت مسیحؑ کی اس انجیل کو مکالمات کے رنگ میں مرتب کیا جن میں بیشتر تعلیمات تو حضرت مسیحؑ کی ہیں اور کچھ دوسری داستانیں بھی اس میں شامل کر دی گئیں تھیں۔ اس طرح بہت سے واقعات باہم خلط ملط ہو گئے لیکن جس طرح تورات اور انجیل میں تغیر و تبدل اور کمی بیشی کے باوجود ان مقدس کتابوں کی جو تعلیمات حقیقی اور راستی پر مبنی ہیں وہ بول اٹھتی ہیں کہ یہ خدا کے نبیوں کا کلام ہے اسی طرح اس انجیل کی وہ تعلیمات جو حضرت مسیحؑ کے ارشادات پر مبنی ہے پکار اٹھتی ہے کہ یہ خدا کے نبی کا کلام ہے۔

منیر احمد:۔ پیام صاحب! اتنی اہم اور نادر دستاویز کے بارے میں جو شاید اس صدی میں پہلی بار دنیا سے روشناس ہو رہی ہے کیا آپ اس انٹرویو کے قارئین کو یہ بتانا پسند کریں گے کہ اس کی تاریخی حیثیت کیا ہے؟

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب! اس دستاویز کی تاریخی حیثیت کے بارے میں

اجمالاً تو میں عرض کر چکا ہوں اب تھوڑی سے تفصیل عرض کئے دیتا ہوں۔

کتاب کا اجمالی تعارف

دوسری صدی ہجری میں عباسی خلیفہ ابو جعفر المنصور کے زمانے میں سنسکرت کے اس نسخے سے عبداللہ ابن المقفع نے اس کا عربی میں ترجمہ کیا۔ دوسری رائے کے مطابق فارسی سے عربی میں ترجمہ ہوا۔ اس کا ایک عربی ایڈیشن بمبئی سے ۱۸۸۸ء۔ ۱۸۸۹ء میں شائع ہوا تھا۔ یہ فاضل اسکالر یعنی کتاب کا عربی مترجم عبداللہ ابن المقفع خلیفہ ابو جعفر المنصور کے دربار سے وابستہ تھا۔ ہندوستان کے ایک فاضل سید عبدالغنی عظیم آبادی نے ۱۸۹۹ء میں اس کا عربی سے اردو میں ترجمہ کیا جو حیدر آباد دکن سے شائع ہوا جس کا نام ہے "کتاب بوذ اسف و بلوہر"۔ ظاہر ہے کہ "بوذ اسف" دراصل "یوز آسف" کی بگڑی ہوئی شکل ہے اور کتاب کے نام میں "بلوہر" کا اضافہ عربی مترجم نے اپنی طرف سے کر دیا۔ اس عہد کے ایک اور سکالر اور محقق مولوی عزیز مرزا نے اس اردو ترجمے پر ایک مقدمہ لکھا۔ فاضل مقدمہ نگار کی تحقیق کے مطابق اندازہ کیا جاتا ہے کہ یہ کتاب یوز آسف کے زمانے کے سو یا دو سو برس بعد مرتب کی گئی۔ اسلامی تاریخ اور لٹریچر کے مشہور عالم علامہ ابن ندیم کی کتاب "الفہرست" میں اس کا نام ان ہندی کتب میں شامل ہے جن کا ترجمہ خواہ براہ راست سنسکرت سے عربی میں ہوا یا سنسکرت سے قدیم فارسی اور فارسی سے عربی میں ہوا۔ اس عربی ترجمے کے علاوہ جو عبداللہ ابن المقفع سے منسوب ہے اس کے عربی زبان میں دو ترجمے اور بھی کئے گئے تھے۔

شیعہ مجتہدین میں کتاب کی مقبولیت

اس کتاب کی مقبولیت کا اندازہ کرنے کے لئے یہ امر ہی کافی ہے کہ چوتھی صدی ہجری کے شیعہ عالم اور مجتہد علامہ السعید الصادق (سعید ابی جعفر ابن بابویہ القمی) نے اسے اپنی کتاب "اکمال الدین" میں شامل کیا اور معلومات کی کمی اور کچھ حسن عقیدت کی بنا پر لکھ دیا کہ یہ کتاب حضرت امام حسینؓ کے فرزند علیؓ بن حسینؓ بن علیؓ (امام زین العابدینؒ)

کے ارشادات پر مشتمل ہے۔ اگرچہ یہ درست نہیں کہ یہ کتاب حضرت امام زین العابدینؒ کی تالیف یا ان کے ارشادات پر مشتمل ہے لیکن اس سے اتنا تو ثابت ہو جاتا ہے کہ آج سے ایک ہزار سال قبل بھی یہ کتاب موجود تھی ورنہ علامہ السعید الصلاق جو چوتھی صدی ہجری کے شیعہ عالم و مجتہد تھے اپنی کتاب "اکمال الدین" میں اس کے مضامین ہرگز شامل نہیں کر سکتے تھے۔

بزرگان دین میں کتاب کی مقبولیت

عربی ادب پر اس کتاب کا اتنا اثر ہوا اور اسلامی لٹریچر اس کتاب سے اتنا متاثر ہوا کہ روحانی اسرار و رموز کی کتابیں اس سے مالا مال ہو گئیں اور بڑے بڑے بزرگان دین نے اس کتاب کی عارفانہ حکایات کو اپنی تصانیف میں شامل کیا۔ مثال کے طور پر شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے اپنی کتاب "عوارف المعارف" اور امام ابن عبدربہؒ اندلسی نے اپنی کتاب "عقد الفرید" میں اس کتاب کی بعض حکایات درج کی ہیں۔ ان کے علاوہ بعض صوفیا نے بھی اپنی تصانیف میں اس کتاب سے استفادہ کیا۔

امام غزالیؒ نے اپنی کتاب "احیا العلوم" میں مذکورہ کتاب کی اس تمثیل کو سبق آموز حکایت کے طور پر درج کیا ہے جس میں کسی شہزادے کا ایک مردہ عورت سے مجامعت کرنے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

کتاب کے دیگر تراجم

اس کتاب کو مشرق و مغرب دونوں اطراف میں غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی اور فارسی و عربی کے علاوہ عہد عباسیہ میں ہی خلیفہ ابو جعفر المنصور کے شاہی طبیب یوحنا دمشقی نے جو مذہباً مسیحی تھا اس کا ترجمہ یونانی زبان میں کیا۔ پھر حبشی، جارجین، ارمنی اور عبرانی زبانوں میں اس کے ترجمے کئے گئے۔ ۱۷۱۲ء میں فلپائن کی زبان "ٹکالا" میں بھی اس کا ترجمہ کیا گیا۔ یونانی زبان میں اس کا ایک اور ترجمہ "سائی مون میٹا فراسٹ" نے کیا۔ یہ

فاضل مترجم ۱۱۵۰ء میں گزرا ہے یعنی آج سے قریباً نو سو سال قبل اس کا ترجمہ دوسری بار یونانی زبان میں ہوا۔ تیرھویں صدی عیسوی میں ونسنٹ نامی ایک مسیحی مصنف نے جو شہر بودے کا رہنے والا تھا اس کتاب کو اپنی تصنیف "اسپیکولم ہسوریال" میں شامل کر لیا۔ ایک اور مسیحی مصنف "بس ڈی ڈورین" نے اس کتاب کو مختصر کر کے اپنی تالیف "گولڈن لیجنڈ" میں شامل کر لیا۔ بوہمیا، پولینڈ اور آئس لینڈ کی زبانوں میں بھی اس کتاب کے ترجمے ہوئے حتیٰ کہ ناروے کے ایک بادشاہ نے ۱۲۰۴ء میں آئس لینڈ کی زبان میں خود اس کا ترجمہ کیا۔ اس طرح یورپ کی شاید ہی کوئی زبان باقی رہی ہو جس میں اس کتاب کا ترجمہ نہ ہوا ہو۔ اٹلی کے مشہور افسانہ نگار "بوکاچیو" نے اس کتاب کی حکایات کا اطالوی زبان میں ترجمہ کر کے انہیں اپنے افسانوں کی زینت بنایا۔ حتیٰ کہ شیکسپیئر اور ممتاز مصنف "جیسٹا روما نارم" نے بھی اپنے ڈراموں اور افسانوں میں اس کتاب کی حکایات و تمثیلات سے بہت کچھ استفادہ کیا (کتاب بوذاسف و بلوہر کا مقدمہ ص ۱۱ تا ۱۲)

ہمارے قریبی زمانے میں انگریزی زبان کے ممتاز اسکالر پروفیسر کے۔ ایس۔ میکڈانلڈ (K.S. MACDONALD) نے "دی اسٹوری آف بارلام اینڈ جوزافٹ" کے نام سے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا تھا اور اس پر ایک بھرپور مقدمہ بھی لکھا تھا۔ ان کا یہ انگریزی ترجمہ ۱۸۹۵ء میں کلکتہ سے شائع ہوا تھا۔

کتاب کے کرداروں کے نام پر چرچ

مسیحی مصنفین اس کتاب سے اتنا متاثر ہوئے کہ انہوں نے اسے اپنی مذہبی کتاب قرار دیدیا چونکہ وہ یہ عقیدہ اختیار کر چکے تھے کہ حضرت مسیحؑ صلیب پر فوت ہو گئے تھے اور تیسرے دن زندہ ہو کر اوپر اٹھا لئے گئے جہاں وہ خدا تعالیٰ کے پاس بیٹھے ہیں اس لئے اس کتاب کو وہ حضرت مسیحؑ سے تو منسوب نہیں کر سکے یعنی اسے انجیل کا حصہ قرار نہیں دے سکے کیونکہ اس طرح ان کے عقیدے پر ضرب پڑتی تھی اور مسیحیت کی ساری عمارت دھڑام سے زمین پر آ رہتی اس لئے انہوں نے اس کتاب کے دو کرداروں یوز

آسف اور بلوہر کو مسیحی اولیا قرار دیدیا اور انہیں مغربی نام دے کر "سنٹ جو زافٹ" اور "سنٹ بار لام" کے نام سے مسیحیوں میں متعارف کروایا حتیٰ کہ ان دونوں ناموں یعنی سینٹ جو زافٹ (یوز آسف) اور سنٹ بارلام (بلوہر) کے نام سے یورپ کے مختلف ممالک میں گرجا تعمیر کئے گئے چنانچہ اٹلی کے شہر "پالرمو" میں سینٹ جوزافٹ (یوز آسف) کے نام سے ایک گرجا آج تک موجود ہے (ص ۱۱)

ان تفصیلات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کی یہ انجیل (صحیفہ یوز آسف) ساری دنیا میں مقبول ہوئی- قدیم آسمانی کتابوں میں بائیبل کے بعد اتنی مقبولیت دنیا کی شاید ہی کسی کتاب کو نصیب ہوئی ہو- یہ امر بذات خود اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ صحیفہ یوز آسف یقیناً حضرت مسیحؑ کی تعلیمات کا مجموعہ ہے جو سنسکرت سے فارسی اور فارسی سے عربی تک پہنچتے پہنچتے زبانوں کی مغائرت کی وجہ سے یوز آسف سے بوذ اسف بن گیا اور انگریزی میں یوڈاسف YEWDSEF اور JOSAPHAT- اگر غور کیا جائے تو اصل لفظ یوز آسف ہی تھا جس نے مختلف زبانوں میں جا کر مختلف شکلیں اختیار کر لیں جس طرح یسوع، مسیحؑ، جیزز اور عیسیٰ ایک ہی شخصیت کے نام ہیں اسی طرح بوداسف یوز آسف یوز اور جوز افٹ بھی ایک ہی شخصیت کے نام ہیں یعنی عیسیٰ مسیحؑ-

منیر احمد:- پیام صاحب! آپ کی اس طویل اور بھرپور تحقیق کے بعد ایک سوال ذہن میں یہ آتا ہے کہ کیا اس پر سب متفق ہیں کہ یہ صحیفہ حضرت عیسیٰؑ ہی پر نازل ہوا تھا یا انہی کی تعلیمات کا مجموعہ ہے-

پیام شاہجہانپوری:- نہیں منیر صاحب! اس پر سب متفق نہیں ہیں سب تو کسی بات پر بھی متفق نہیں- میں حقائق پر پردہ ڈالنے کے حق میں نہیں ہوں اس لئے وضاحت کردوں کہ بعض لوگوں نے صحیفہ یوز آسف کو "سوانح بودہ سف" قرار دیا ہے یعنی اسے مہاتما بدھ کی تعلیمات کا مجموعہ اور ان کی سوانح عمری بتایا ہے ان میں خود اس کتاب کے اردو مترجم مولوی سید عبدالغنی عظیم آبادی اور کتاب کے مقدمہ نگار مولوی محمد عزیز مرزا بھی شامل ہیں جنہوں نے کتاب کے ٹائی ٹل پیج پر غلط فہمی کی بنا پر لکھ دیا کہ "ہندوستان

کے روشن دماغ پرہیز گار شخص گوتم بدھ کے حالات زندگی......" لیکن خود اس کتاب کی اندرونی شہادتیں ثابت کر دیتی ہیں کہ یہ صحیفہ گوتم بدھ کی سوانح عمری ہرگز نہیں ہے بلکہ یہ حضرت مسیحؑ کی تعلیمات و ارشادات پر مشتمل ہے البتہ اس میں کچھ اقوال اور کچھ اور روایتیں گوتم بدھ سے متعلق بھی شامل کر دی گئی ہیں-

بدھ اور مسیحؑ میں مماثلت

یہاں ایک امر کی وضاحت کردوں کہ مہاتما بدھ اور حضرت مسیحؑ کے حالات آپس میں اتنے ملتے جلتے ہیں کہ ایک پر دوسرے کا گمان ہوتا ہے مثلاً دونوں تعلیم دیتے ہیں کہ سرتاپا دنیاوی امور میں نہ ڈوب جاؤ بلکہ زیادہ خیال آخرت کا رکھو- دونوں اہنسا (عدم تشدد) کی تلقین کرتے ہیں- مسیحؑ ایک کنواری کے بطن سے پیدا ہوئے- مغرب کے ایک ممتاز مصنف و مورخ مسٹر ریاس ڈیوڈس (RHYS DAVIDS) اپنی کتاب "BUDDHISM" میں لکھتے ہیں کہ گوتم بدھ بھی جس خاتون کے بطن سے پیدا ہوئے وہ ان کی پیدائش کے وقت تک کنواری تھی- حضرت مسیحؑ کو شیطان نے ورغلانے کی کوشش کی (متی کی انجیل باب نمبر ۴ آیت نمبر ۱) گوتم بدھ کو بھی شیطان نے راہ راست سے ہٹانے کی کوشش کی لیکن جس طرح حضرت مسیحؑ شیطان پر غالب آگئے اسی طرح گوتم بدھ نے بھی شیطان کو مغلوب کر لیا اور پھر مقدس دریا میں نہا کر خود کو پاک کیا-

("JESUS DIED IN KASHMIR" BY ANDREAS FABER - KAISER,
P-136, (LONDON)

جس طرح حضرت مسیحؑ نے اپنے شاگردوں کو ہدایت کی تھی کہ تم کسی زاد راہ کے بغیر میرا پیغام پہنچانے کے لئے نکل کھڑے ہو اور قریہ قریہ شہر شہر جاؤ اسی طرح گوتم بدھ نے بھی اپنے شاگردوں کو حکم دیا کہ تم لوگ دو دو کی صورت میں کسی ساز و سامان کے بغیر نکل کھڑے ہو اور لوگوں کو میرا پیغام پہنچاؤ- دونوں کے پیرو کاروں اور مبلغوں کے لباس یعنی لمبے لمبے چوغے اور ہاتھوں میں لکڑی کے پیالے ایک دوسرے سے حیران کن حد تک

مشابہت رکھتے تھے۔ حسن اتفاق سے حضرت مسیحؑ کو بھی ابتدا میں انہی علاقوں میں جانے اور رہنے کا اتفاق ہوا جہاں گوتم بدھ پیدا ہوئے، مقیم ہوئے اور جن علاقوں میں انہوں نے تبلیغی سفر کئے مثلاً اڑیسہ، کپل وستو، بنارس، لداخ اور تبت۔ ان مقامات پر حضرت مسیحؑ اپنی زندگی کے جو نقوش چھوڑ گئے وہ بعد کے بدھ عالموں نے گوتم بدھ سے منسوب کر دیئے۔ ایک عجیب بات یہ ہے کہ ممتاز مصنف سر مونیرو لیمس (SIRMONIER WILLIMAS) نے اپنی مایہ ناز تصنیف میں لکھا ہے کہ بدھوں میں روایت ہے کہ مہاتما بدھ کا چھٹا مظہر، ایک شخص "میا" نامی ہوگا (BUDDOHISM,-----P,45) ظاہر ہے کہ یسا (یساع)، یسوع ہی کی ایک صورت ہے اس لئے جب یسوع مسیحؑ ظاہر ہوئے اور ان کا ورود ہندوستان میں ہوا تو بدھوں نے ان کی تعلیم کے بعض حصوں کو گوتم بدھ کی تعلیم میں شامل کر لیا۔ ان حالات میں اگر حضرت مسیحؑ کی تعلیمات پر مہاتما بدھ کی تعلیمات کا گمان گزرنے لگے تو تعجب نہیں ہونا چاہئے مگر جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا تھا کہ خود صحیفہ یوز آسف کی اندرونی شہادتیں اس امر کی گواہی دیتی ہیں کہ یہ صحیفہ گوتم بدھ کی سوانح عمری ہرگز نہیں بلکہ دونوں کے زمانوں میں صدیوں کا فصل ہے۔

بدھ اور مسیحؑ دو الگ الگ شخصیتیں ہیں

منیر احمد:۔ پیام صاحب! کیا کوئی ایسی شہادت آپ پیش کریں گے جس سے ثابت ہوتا ہو کہ یہ دونوں الگ الگ شخصیتیں ہیں؟

پیام شاہجہانپوری:۔ ایک نہیں درجنوں۔ مثال کے طور پر کتاب کا ایک کردار راجہ جیسر ہے جو یوز آسف سے مناظرہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:۔

"میرا ایسا کرنا اس رسم کی پابندی ہے جو بودہ (گوتم بدھ) نے ہمارے دادا بیسم سے بیان کی تھی" (کتاب بوذاسف و بلوہر صفحہ ۱۷۱) گویا ثابت ہو گیا کہ یوز آسف سے مناظرہ کرنے والا راجہ (جیسر) خود کو گوتم بدھ کے ایک ہم عصر راجہ کا پوتا قرار دیتا ہے تو پھر یوز آسف گوتم بدھ کیسے ہو سکتے ہیں گوتم بدھ تو اس بیان کی رو سے تین پشت پہلے فوت ہو چکے تھے۔

آگے چلئے۔ اسی کتاب میں یہی راجہ جیسر یوز آسف کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:۔

پھر جب بودہ (مہاتما بدھ) اس دنیا سے آخرت کا سفر کرنے لگا (تو) بیسم کو اس نے اپنا خلیفہ بنایا یہ اس سے کسی طرح علم و حکمت میں کم نہ تھا۔ اس کے بعد "شب ہنی" بیسم کا بیٹا..... بادشاہ ہوا" (کتاب بوذاسف و بلوہر کا صفحہ ۱۷۳)

کیا اب بھی اس امر میں کوئی شک رہ گیا کہ یوز آسف اور مہاتما بدھ بالکل مختلف شخصیتیں تھیں اور مہاتما بدھ یوز آسف سے مدتوں پہلے وفات پا چکے تھے۔ کتاب کی رو سے اس وقت مہاتما بدھ یا ان کے ایک ہم عصر راجہ کی نسل کا ایک راجہ یوز آسف سے بحث و مناظرہ کر رہا تھا۔ تھوڑا سا اور آگے چلئے اور اب خود یوز آسف کی زبان سے سنئے فرماتے ہیں:۔

"لوگوں کا خیال ہے کہ بودہ نے جب ہند کے رہنے والوں کو وہ باتیں تعلیم کر دیں جن کو خدا نے اس کی زبان کے ذریعے سے لوگوں کو دلوں میں ڈالنا چاہا تو وہ دنیا کی سیر و سیاحت کو نکلا۔ اثناء سیاحت میں اس کو موت آگئی......" (کتاب بوذ آسف و بلوہر" کا صفحہ ۱۴۴)

منیر صاحب! اب تو حقیقت پوری طرح آشکار ہو گئی کہ یوز آسف ہرگز مہاتما بدھ نہیں تھے بلکہ بدھ ان سے بہت پہلے فوت ہو چکے تھے جس کا خود یوز آسف اعلان کر رہے ہیں۔

منیر احمد:۔ پیام صاحب! میں تسلیم کئے لیتا ہوں کہ یوز آسف اور مہاتما بدھ دو الگ الگ شخصیتیں تھیں کیونکہ جو حوالے آپ نے پیش کئے ہیں ان سے تو یہی ثابت ہوتا ہے لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ یوز آسف گوتم بدھ کے کوئی خلیفہ اور ان کے سلسلے کے کوئی روحانی پیشوا ہوں۔

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب! یہ تو مفروضہ ہے اور تاریخ میں مفروضات کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ تاریخ تو نام ہی ہے واقعات کو ریکارڈ کرنے کا، صداقتوں کو بیان کرنے کا جو واقعہ جس طرح پیش آتا ہے تاریخ اسے اسی طرح ریکارڈ کر لیتی ہے بشرطیکہ ریکارڈ کرنے والا بددیانت اور جانب دار نہ ہو۔ اب میں آپ کے سوال کی طرف آتا ہوں اور صرف ایک حوالے پر اکتفا کرتا ہوں کیونکہ اس سے زیادہ گنجائش نہیں، غور فرمایئے:۔

یوز آسف سلسلہ ابراہیمی کے پیغمبر تھے

یوز آسف اور ہندوستان کے ایک تارک الدنیا کے درمیان گفتگو ہوتی ہے جسے راجہ نے عابد و زاہد ہونے کے "جرم" میں مع اس کے ساتھیوں کے شدید جسمانی ایذائیں دیں یہاں تک کہ ان زخموں کی شدت کی وجہ سے ان میں سے تین تو یوز آسف کے سامنے دم توڑ گئے۔ آپ کو معلوم ہے اس کے بعد کیا ہوا؟ یہی وہ نکتہ ہے جو اس سارے معاملے میں KEY (کلید) کی حیثیت رکھتا ہے۔ صحیفہ یوز آسف میں بیان کیا گیا ہے کہ :۔

"اس کے بعد یوز آسف آس پاس کے پہاڑوں میں پیادہ پا (کسی) غار کی تلاش میں پھرتا رہا۔ جب اپنے ڈھب کا ایک غار اسے مل گیا تو ایک ایک لاش کر کے اپنی پیٹھ پر لاد کر اس میں رکھ آیا اور جب ساری لاشیں رکھ چکا تو مٹی سے اسے بند کر دیا اور کھڑا ہو کر ان پر نماز پڑھنے لگا اس وقت دن آخر ہو گیا تھا" (کتاب بوذ اسف و بلوہر ص ۴۷)

منیر صاحب! یہ معمولی واقعہ نہیں ہے یہ بہت غور کا مقام ہے - یوز آسف اگر بودہ سف (گوتم بدھ) یا ان کا کوئی خلیفہ ہوتا تو وہ لاشوں کو قبر میں کبھی نہ رکھتا کیونکہ تاریخ اور مذہبیات کا معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ ہندو اور بدھ دونوں اپنے مردے جلاتے ہیں دفن نہیں کرتے۔ مردوں کو دفن کرنے کا رواج دنیا کے تین مذاہب کے لوگوں میں ہے یہودی، مسیحی اور مسلمان۔ جس وقت کا یہ واقعہ ہے اسلام تو اس وقت آیا ہی نہ تھا پس تسلیم کرنا پڑے گا کہ یوز آسف بلاشک و شبہ یہودی طریقے کا پیرو تھا اور جن تارک الدنیا راہبوں کو مقامی راجہ نے اذیتیں دے دے کر قتل کر دیا تھا وہ بھی اسی کے دین کے پیرو تھے کیونکہ ان میں سے ایک تارک الدنیا نے جس میں ابھی کچھ جان باقی تھی مرتے وقت یوز آسف کو وصیت کی تھی کہ "جب وہ فوت ہو جائے تو اس کی اور اس کے باقی ساتھیوں کی لاشیں پہاڑ کی کھوہ یا کسی گڑھے میں رکھ کر اس کا منہ مٹی سے بند کر دینا"۔ (کتاب بوذ اسف و بلوہر صفحہ ۴۳)

یہی نہیں بلکہ صحیفہ یوز آسف کی رو سے جب یوز آسف لاشیں غار میں دفن کر چکا تو اس کے پاس کھڑے ہو کر ان پر (اپنے طریقے کے مطابق) نماز پڑھی (کتاب بوذ اسف و بلوہر صفحہ ۴۷)

سوچئے کہ بدھ مذہب کے لوگ اپنے مردے دفن کرنے کے بعد کیا ان پر نماز بھی پڑھتے ہیں؟ پس اس سے ثابت ہو گیا کہ یوز آسف ہرگز بدھ نہیں تھے نہ گوتم بدھ کے کوئی خلیفہ تھے وہ تورات کے پیرو اور شریعت موسوی کے آخری پیغمبر حضرت مسیحؑ ابن مریم ہی تھے جنہوں نے ان تارک الدنیا یہودی راہبوں کو دفن کرنے کے بعد ان پر اپنے طریقے کے مطابق نماز پڑھی تھی۔

یہاں گمان گذر سکتا ہے کہ کیا حضرت مسیحؑ بھی ہماری طرح نماز پڑھا کرتے تھے؟ سو اس شبہ کے ازالے کے لئے ہمیں قرآن کریم کی طرف رجوع کرنا ہو گا چنانچہ اللہ تعالیٰ سورہ بقرہ میں فرماتا ہے :۔

(اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل سے عہد لیا تھا (تاکید کی تھی) کہ میرے گھر (خانہ کعبہ) کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک و صاف رکھو) (البقرۃ آیت ۱۲۵)

حضرت مسیحؑ سلسلہ ء ابراہیمی کے پیغمبر تھے۔ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ عبادت کا جو طریقہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تعلیم فرمایا تھا جناب مسیحؑ اسے ترک کر کے اپنے طرف سے کوئی نیا طریقہ ء عبادت ایجاد کر لیتے۔ اس طریقہ ء عبادت میں صرف رکوع اور سجدے کا ذکر کیا گیا ہے لیکن اگر تھوڑا سا بھی غور کیا جائے تو قیام اور قعود اس میں خود بخود شامل ہو گئے کیونکہ رکوع اس وقت تک ہو سکتا ہی نہیں جب تک قیام نہ ہو اور رکوع اور سجدے کے درمیان بھی قیام لازمی ہے۔اسی طرح سجدے کے ساتھ قعود ضروری ہے۔ رہ گیا یہ سوال کہ یہ قیام و رکوع اور سجود و قعود دن میں کتنی بار کئے جاتے تھے اور ان میں کون کون سی دعائیں پڑھی یا مانگی جاتی تھیں اس کے بارے میں کوئی حتمی بات نہیں کہی جا سکتی۔

منیر صاحب! آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ حضرت یوز آسف ایک جگہ ایک تمثیلی کردار کی زبان سے اپنا اور اپنی جماعت کا جو طریقہ ء عبادت بیان کرتے ہیں وہ خالص ابراہیمی طریقہ ء عبادت ہے سنئے! فرماتے ہیں :۔

"اگر تم کبھی بازار سے گزرے ہو گے تو دیکھا ہو گا کہ اس کے دائیں بائیں بہت سے لوگ ہیں مگر ایک کو دوسرے سے کچھ سروکار نہیں اور ہر شخص کے سر پر ایک نہ ایک ضرورت و حاجت سوار ہے جس کی طلب میں وہ پریشان و سرگرداں ہے ہاں سب کی ہیئت میں فرق ہے۔ کوئی بیٹھا ہے' کوئی کھڑا ہے' کوئی چلتا ہے' کوئی دوڑتا ہے' کوئی خاموش ہے' کوئی چلا رہا ہے پس....... ہمارا (بھی) یہی حال ہے۔ فرق ہے تو اس قدر کہ وہ لوگ دنیا کی طلب میں ہیں اور ہم آخرت کی تلاش میں اور جیسی مراد ہے ویسی ہی محنت ہے۔ ہماری جماعتیں بھی الگ الگ (حالت میں) ہیں۔ کوئی قیام میں ہوتا ہے۔ کوئی رکوع میں تو کوئی سجود میں تو کوئی قعود میں۔ جو قیام میں ہے وہ بلند آواز سے حکمت کا سبق دے رہا ہے اور جو رکوع میں ہے اس کی آواز اس کے معاملے کی وجہ سے دھیمی ہے اور آنسو جاری ہیں اور سجدے والا بالکل خدا سے لو لگائے ہوئے ہے اور قعود والا راحت پر اپنے مالک کا شکر ادا کر رہا ہے (کتاب بوذاسف و بلوہر صفحہ ۱۰۸)

منیر صاحب! اب تو اس میں کوئی شبہ نہیں رہنا چاہئے کہ یوز آسف حضرت ابراہیمؑ کے سلسلے کے پیغمبر تھے جو مسیحؑ ابن مریم کے سوائے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

پھر اس معاملے کو ایک اور پہلو سے بھی دیکھنا چاہئے کہ حضرت ابراہیمؑ کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ پر وحی نازل فرمائی فرمایا:۔

(اور ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ تم مصر (شہر) میں اپنی قوم کے لوگوں کے لئے کچھ مکان مخصوص کر لو اور یہ گھر اس طرح بناؤ کہ ان کے دروازے آمنے سامنے ہوں (سورۂ یونس آیت ۸۷) فرمایا:۔

واقیموا الصلوۃ

(اور ان میں نماز پڑھو) یہ نہیں فرمایا کہ ہاتھ پھیلا کر صرف دعا کر لیا کرو بلکہ صلوٰۃ کا لفظ استعمال فرمایا یعنی نماز پڑھا کرو۔ نماز بھی اس طرح کہ صف بستہ ہو کر باجماعت ادا کرو (نماز قائم کرو کا یہی مفہوم ہے) یہاں بھی وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس نماز میں کون سی دعائیں پڑھی جاتی تھیں اور یہ نماز دن اور رات میں کتنی بار پڑھی جاتی تھی اور کس طرح

ادا کی جاتی تھی اس کا ہمیں علم نہیں لیکن اتنی بات تو طے ہے کہ حضرت مسیحؑ سلسلہ موسوی کے آخری پیغمبر تھے اور ظاہر ہے کہ اپنے سلسلے کے بانی (جناب موسیٰؑ) کے طریقے کے برعکس وہ کوئی جدید طریقہ اختیار نہیں کر سکتے تھے پس ہندوستان کے ان اسرائیلی شہداء کی تدفین کے بعد نماز پڑھنا ثابت کرتا ہے کہ نماز پڑھنے والا نہ صرف یہ کہ بدھ مذہب کا پیرو نہیں تھا بلکہ سلسلہ موسوی کا پیرو تھا اور وہ جناب مسیحؑ کے سوائے اور کوئی نہیں ہو سکتا جنہیں یوز آسف کے نام سے بھی موسوم کیا گیا جس طرح یسوعؑ۔ عیسیٰؑ اور مسیحؑ ایک ہی شخصیت کے نام ہیں۔

منیر احمد:۔ پیام صاحب! یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے اس کا ازالہ فرما دیں تو اچھا ہو گا' یہ تو ثابت ہو گیا کہ حضرت یوز آسف جن سے صحیفہ ءیوز آسف منسوب ہے بدھ نہیں تھے بلکہ موسوی دین کے پیرو تھے مگر ایک بات پھر بھی ثبوت چاہتی ہے کہ یوز آسف حضرت عیسیٰؑ کیسے ہو سکتے ہیں۔ کیا یہ دونوں دو مختلف شخصیتیں نہیں ہو سکتیں؟ اس کے ساتھ ساتھ ایک اور بات کی بھی وضاحت چاہوں گا۔ یوز آسف کے بارے میں آپ کے نقطۂ نظر سے مختلف نظریہ بھی تو پیش کیا گیا ہو گا اچھا ہو گا کہ آپ وہ بھی پیش کر دیں تاکہ اس مسئلے کے دونوں رخ لوگوں کو سامنے آجائیں؟

یوز آسف کا زمانہ؟

پیام شاہجہانپوری:۔ جی منیر صاحب! میرے نقطۂ نظر سے مختلف نقطۂ نظر بھی پیش کیا گیا ہے لیکن یوز آسف کی شخصیت سے انکار نہیں کیا گیا ہے البتہ ان کے زمانہ حیات کا تعین کرتے ہوئے مختلف نظریہ پیش کیا گیا ہے۔ ہمارے زمانے سے متصل زمانے میں ایک کتاب لکھی گئی تھی "نگارستان کشمیر"۔ مولوی قاضی ظہور الحسن ناظم سیوہاروی (مرحوم) اس کے مولف تھے۔ موصوف نے یوز آسف کا کشمیر میں آنا تو تسلیم کیا ہے لیکن اس خوف سے کہ یہ نہ ثابت ہو جائے کہ جناب یوز آسف ہی حضرت مسیحؑ تھے اور ان کی قبر دراصل قبر مسیحؑ ہے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ یوز آسف مصر کے رہنے والے تھے اور

خدیو مصر کی طرف سے کشمیر کے حکمران سلطان زین العابدین کے دربار میں بطور سفیر آئے تھے (نگارستان کشمیر صفحہ ۲۹۴ برقی پریس دہلی)

ان کے علاوہ بعض اور لوگوں نے بھی یہ موقف اختیار کیا ہے ان میں ابو محمد حاجی محی الدین بھی شامل ہیں جن کی فارسی تاریخ کشمیر ۱۹۰۳ء میں امرتسر سے شائع ہوئی تھی لیکن یہ ساری خیالی اور تصوراتی عمارت اس وقت دھڑام سے زمین پر آ رہتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ ان دونوں کتابوں کی تالیف سے بھی پہلے یعنی ۱۸۹۹ء میں کتاب "بوذ اسف و بلوہر" کے مقدمہ نگار مولوی محمد عزیز مرزا نے اپنے مقدمے میں نشاندہی کی ہے کہ یوز آسف کے ارشادات اور تمثیلوں کو ممتاز شیعہ مجتہد علامہ ابی جعفر بابویہ القمی نے اپنی کتاب "اکمال الدین" میں درج کیا ہے اور یہ عالم اور مجتہد چوتھی صدی ہجری میں گذرا ہے (کتاب بوذ اسف و بلوہر کا مقدمہ صفحہ ۸) جبکہ سلطان زین العابدین حاکم کشمیر کا زمانہ "خود نگارستان کشمیر" کے مولف کے بقول نویں ہجری کا تھا (نگارستان کشمیر صفحہ ۳۹۰) گویا ثابت ہو گیا کہ سلطان زین العابدین کے زمانے سے قریب قریب پانچ سو سال قبل صحیفہ یوز آسف موجود تھا ورنہ ابو جعفر القمی اپنی کتاب "اکمال الدین" میں اس کی حکایات اور تمثیلات کیسے درج کر سکتا تھا۔ اس سے بھی زیادہ حیران کن بات یہ ہے کہ سیدنا حضرت امام حسینؓ کے فرزند حضرت امام زین العابدینؓ نے اس کتاب کی بہت سی حکایات اور تمثیلات مختلف مواقع پر بیان فرمائیں جو شیعہ مجتہدین نے اپنی حدیث کی کتابوں میں شامل کر لیں (کتاب بوذ اسف و بلوہر کا مقدمہ صفحہ ۸)

گویا یوز آسف کی کتاب (صحیفہ یوز آسف) آج سے قریباً تیرہ سو سال قبل بھی موجود تھی۔ منیر صاحب! اب آپ خود فیصلہ کر لیں کہ اس دعوے میں کہاں تک معقولیت ہے کہ یوز آسف بادشاہ مصر کے سفیر تھے اور سلطان زین العابدین والئ کشمیر کے دربار میں آئے تھے جس کا زمانہ نویں صدی ہجری تھا (۸۲۴ھ تا ۸۷۷ھ) جبکہ یوز آسف کے ارشادات و تعلیمات کا مجموعہ سیدنا امام حسینؓ کے فرزند حضرت امام زین العابدینؓ کے زمانے میں بھی موجود تھا اور اس میں تو کوئی شک نہیں کہ اس صحیفے کا وہ نسخہ جو سنسکرت زبان میں تھا اس

کا عربی میں ترجمہ عباسیوں کے ابتدائی دور میں کیا گیا تھا یعنی عباسی خلیفہ ابو جعفر المنصور کے دور میں جس کا عہد حکومت ۱۳۶ھ سے شروع ہوا اور ۱۵۸ھ میں ختم ہو گیا۔ (دائرہ المعارف پنجاب یونیورسٹی لاہور صفحہ ۸۸۴)

منیر صاحب! اس وقت تک تو کشمیر پر مسلمانوں کی حکومت قائم ہی نہیں ہوئی تھی اور نہ مصر پر خدیو مصر کے لقب سے کوئی بادشاہ برسر اقتدار آیا تھا۔ یہ سب بہت بعد کی باتیں ہیں۔

اب ایک اور کتاب کی طرف آیئے جس کا ابھی میں نے ذکر کیا تھا یعنی ابو محمد حاجی محی الدین کی فارسی تاریخ کشمیر جو ۱۹۰۳ء میں امرتسر سے شائع ہوئی تھی۔ اس میں بھی یوز آسف کے بارے میں بحث کی گئی ہے اور مولف کتاب نے یوز آسف کی سات مختلف حیثیتیں بیان کی ہیں (۱) یوز آسف ایک پیغمبر تھے (۲) ایک شہزادے تھے (۳) احفاد موسیٰ میں سے تھے (۴) امام باقر کی نسل سے تھے (۵) مصر سے آمدہ سفیر کا یہ نام تھا۔ (۶) حضرت عیسیٰ کے کوئی خلیفہ تھے (۷) بعینہٖ حضرت عیسیٰ روح اللہ تھے (تاریخ کشمیر فارسی مولفہ ابو محمد حاجی محی الدین)

پھر خود ہی فیصلہ صادر کر دیا کہ ان کو پیغمبر کہنا یا بعینہٖ حضرت عیسیٰ روح اللہ کہنا افترا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب مورخ موصوف خود تسلیم کرتے ہیں کہ یوز آسف کی یہ سات حیثیتیں بیان کی جاتی ہیں جن میں سے ایک حیثیت یہ بھی ہے کہ وہ بعینہٖ عیسیٰ روح اللہ تھے تو پھر انہیں کیا حق تھا کہ ان سات حیثیتوں میں سے پانچ کے بارے میں تو خاموشی اختیار کر لی اور دو حیثیتوں کے بارے میں یہ فیصلہ صادر کر دیا کہ یہ درست نہیں کہ وہ پیغمبر یا عیسیٰ روح اللہ تھے۔ آخر کیوں؟ جبکہ انتہائی قوی شہادتیں موجود ہیں کہ کشمیر میں ایک پیغمبر آیا تھا جو کہتا تھا کہ وہ کنواری کے بطن سے پیدا ہوا ہے اور غیر ہندوؤں کے ملک سے آیا ہے اور خود کو مسیحا کہتا تھا۔ (JESUS IN ROME, P-76,77)

یہ شہادت ایک غیر مسلم بلکہ مسیحی کی ہے جس کا نام رابرٹ گریوز تھا اور جس نے زمانہ قدیم کی سنسکرت کتاب "بھوشیا مہا پران" سے انگریزی میں ترجمہ کروا کر یہ حوالہ اپنی کتاب میں درج کیا۔ اس شہادت کو ہم کیسے رد کر سکتے ہیں جو زمانہ قدیم کے ایک برہمن اور زمانہ حال

کے ایک مسیحی کے بیانات پر مشتمل ہے۔ مسیحی تو تسلیم ہی نہیں کرتے کہ حضرت مسیحؑ صلیب سے زندہ اتر آئے تھے اگر وہ اس حقیقت کو تسلیم کر لیں تو ان کے عقائد کی بنیاد ہی ختم ہو جائے مگر اس کے باوجود یہ فاضل، روشن خیال اور غیر متعصب مسیحی مورخ تسلیم کرتا ہے کہ کشمیر میں ایک پیغمبر آیا تھا جو کہتا تھا کہ وہ کنواری کے بطن سے پیدا ہوا ہے اور خود کو مسیحا کہتا تھا۔

یوز آسف اور مسیحؑ ایک ہی شخصیت تھی

منیر صاحب! اب میں آپ کے سوال کے پہلے حصے کی طرف آتا ہوں کہ یوز آسف حضرت عیسیٰ کیسے ہو سکتے ہیں؟ آپ اس شبہ کا اظہار کرتے ہیں کہ کیا یہ دونوں دو مختلف شخصیتیں نہیں ہو سکتیں؟ آپ کا شک بے بنیاد نہیں ہے کچھ اور لوگوں کو بھی جن میں بعض مورخ بھی شامل ہیں یہ شک گزرا ہے لیکن خود اس کتاب (صحیفہ یوز آسف) کی اندرونی شہادتیں ثابت کرتی ہیں کہ یوز آسف اور جناب مسیحؑ ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔

منیر صاحب! آپ جانتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ تمثیلوں میں گفتگو فرماتے تھے انجیل ان تمثیلوں سے بھری پڑی ہے۔ تورات میں بھی حضرت موسیٰؑ کی پیش گوئی موجود ہے کہ آنے والا مسیحؑ تمثیلوں میں کلام کرے گا۔ آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ یوز آسف بھی تمثیلوں میں کلام کرتے نظر آتے ہیں اور صحیفہ یوز آسف بھی ان تمثیلوں سے بھرا پڑا ہے۔ پھر بعض تمثیلیں تو قریب قریب وہی ہیں جو انجیل میں درج ہیں مثلاً بیج بونے والے کی تمثیل۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ فلسطین کے دوران قیام آپؑ اہل فلسطین کو راہ راست کی طرف لانے کی غرض سے جو تمثیلیں بیان فرما چکے تھے وہ ہندوستان آ کر یہاں آباد بنی اسرائیل کے سامنے دوسری بار پھر بیان فرماتے ہیں جس طرح قرآن کریم میں ایک ہی بات بار بار اور کئی کئی طریقوں سے بیان کی گئی ہے تاکہ پڑھنے والوں کے ذہن نشیں ہو جائے۔ اب یہ تمثیل سنئے:۔

"دیکھو ایک بونے والے بیج بونے نکلا اور بوتے وقت کچھ دانے راہ کے کنارے گرے اور پرندوں نے آ کر انہیں چگ لیا ○ اور کچھ پتھریلی زمین پر گرے جہاں ان کو

بہت مٹی نہ ملی اور گہری مٹی نہ ملنے کے سبب سے جلد اگ آئے ○ اور جب سورج نکلا تو جل گئے اور جڑ نہ ہونے کے سبب سے سوکھ گئے ○ اور کچھ جھاڑیوں میں گرے اور جھاڑیوں نے بڑھ کر ان کو دبا لیا ○ اور کچھ اچھی زمین میں گرے اور پھل لائے۔" (متی کی انجیل باب ۱۳ آیت ۳ تا ۸)

کیا یہ تعجب انگیز امر نہیں کہ یہی حکایت حضرت یوز آسف بیان کرتے ہیں چنانچہ صحیفہ "بوزاسف" میں یہ حکایت اس طرح بیان کی گئی ہے حضرت یوز آسف فرماتے ہیں:۔

"میں جو کچھ تجھ سے بیان کرتا ہوں اس کو سمجھ۔ کسان عمدہ بیج لے کر بونے کے لئے باہر نکلتا ہے اور مٹھی بھر بھر کر کھیت میں بکھیرتا ہے ان میں سے کچھ تو کھیت کی مینڈوں پر گرتے ہیں جو بہت جلد چڑیوں کا رزق ہوتے ہیں اور کچھ ایسے پتھر پر گرتے ہیں جس پر تھوڑی سی مٹی اور کسی قدر نمی ہوتی ہے۔ یہ دانے اگتے تو ہیں مگر جب ان کی جڑیں پتھر تک پہنچتی ہیں تو سوکھ جاتے ہیں اور کچھ پر خار زمین پر گرتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں بالیں نکلتی ہیں اور پھلنے کو آتی ہیں تو کانٹے ان کی گردنیں دبا کر سکھا ڈالتے اور ضائع کر دیتے ہیں اور ان میں سے تھوڑے اچھی پاک و صاف زمین پر گرتے ہیں جو محفوظ ہو کر نشوونما پاتے اور بخوبی پروان چڑھتے ہیں" (کتاب بوزاسف و بلوہر صفحہ ۳۴)

منیر صاحب! آپ غور کیجئے کیا یہ دونوں تمثیلیں ایک ہی آدمی بیان نہیں کر رہا؟ آگے چلئے حضرت مسیحؑ اپنی تمثیل کی تشریح بھی کرتے ہیں، تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"پس بونے والی کی تمثیل سنو ○ جب کوئی بادشاہی کا کلام سنتا ہے اور سمجھتا نہیں تو جو اس کے دل میں بویا گیا تھا اسے وہ شریر آ کر چھین لے جاتا ہے یہ وہ ہے جو راہ کے کنارے بویا گیا تھا اور جو پتھریلی زمین میں بویا گیا یہ وہ ہے جو کلام کو سنتا ہے اور اسے فی الفور خوشی سے قبول کر لیتا ہے ○ لیکن اپنے اندر جڑ نہیں رکھتا بلکہ چند روزہ ہے اور جب کلام کے سبب سے مصیبت یا ظلم برپا ہوتا ہے تو فی الفور ٹھوکر کھاتا ہے ○ اور جو جھاڑیوں میں بویا گیا یہ وہ ہے جو کلام کو سنتا اور دنیا کی فکر اور دولت کا فریب اس کلام کو دبا دیتا ہے اور وہ بے پھل رہ جاتا ہے ○ اور جو اچھی زمین میں بویا گیا یہ وہ ہے جو کلام کو سنتا

ہے اور سمجھتا ہے اور پھل بھی لاتا ہے (متی باب ۱۳ آیت ۱۸)

حضرت مسیحؑ کی طرح یوز آسف بھی ہمیں اپنی تمثیل کی تشریح کرتے نظر آتے ہیں اور وہ اس طرح' فرماتے ہیں:-

"اس کی تشریح یہ ہے کہ کسان تو حکمت جاننے والے ہیں اور عمدہ دانے ان کے پند و نصائح ہیں اور وہ دانے جو مینڈوں پر گرتے اور جن کو چڑیاں چگ جاتی ہیں وہ نصیحتیں ہیں جو کانوں ہی تک پہنچ کر رہ جاتی اور دل تک نہیں پہنچتی ہیں اور جو دانے پتھر کی نمناک مٹی پر گر کر اگتے ہیں اور بعد میں ان کی جڑیں پتھر پر پہنچ کر سوکھ جاتی ہیں وہ باتیں وہ ہیں جن کو کسی شخص نے جی لگا کر سنا اور اچھا جانا اور اپنی سمجھ سے ان کو پہنچانا ہو مگر ان پر عمل کرنے کے ارادے سے ان کو گرہ میں نہ باندھا ہو اور نہ اس کی عقل نے ان کو اپنا بنالیا ہو اور جو بیج کہ اگے اور پھلنے کو ہوئے مگر کانٹوں نے ان کو سر اٹھانے نہ دیا وہ ایسی نصیحتیں ہیں جن کو سننے والے نے گرہ میں باندھ رکھا اور عقل سے انہیں سمجھا بھی مگر جب ان پر عمل کرنے کا وقت آیا جو ان کا پھل ہے اس وقت نفسانی خواہشوں نے ان کو دبا کر ضائع کر دیا اور جو دانے پاک و صاف زمین میں پہنچے اور محفوظ رہ کر پھولے پھلے اور پروان چڑھے وہ ایسی نصیحتیں ہیں جن کو عقل و بینائی نے پسند اور کانوں نے قبول کیا اور دل نے محفوظ رکھا اور ارادے نے ان کو تکمیل تک پہنچایا یعنی نفسانی خواہشوں کے اکھاڑ پھینکنے اور نجس خیالات سے قلب کو پاک کرنے کا کام ان سے لیا۔ (کتاب بوذاسف و بلوہر صفحہ ۳۴'۳۵)

منیر صاحب! یہ تمثیل اور اس کے دونوں حصوں پر غور کیجئے اور دیکھئے کیا آپ محسوس نہیں کرتے کہ یہ تمثیل ایک ہی شخص نے بیان کی ہے الفاظ کا تھوڑا سا فرق ہے یہ فرق بھی اس وجہ سے ہے کہ راویوں نے ان تمثیلوں کو اپنے اپنے رنگ میں بیان کیا ہے اور ایک نے دوسرے سے نقل کرتے ہوئے کچھ کمی یا کچھ تغیر کر دیا ورنہ مفہوم بھی ایک ہی ہے' انداز بیان بھی قریب قریب ایک ہی ہے اور طرز تشریح بھی ایک ہی ہے پس اس تقابل سے بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ یوز آسف اور یسوع دراصل ایک ہی شخص کے نام ہیں

جو یسوع اور یوز آسف دونوں ناموں سے مشہور ہوئے۔

منیر صاحب! اس مسئلے کا ایک اور پہلو ہمیں اپنی طرف متوجہ کرلیتا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ طبیب بھی تھے بلکہ اپنے عہد کے سب سے بڑے طبیب تھے۔ آپؑ نے حضرت یحییٰؑ کی قائم کردہ طبی درس گاہ میں علم طب کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی تھی۔ جس روحانی سلسلے سے آپؑ قبل از نبوت وابستہ تھے اس کے اکثر اراکین بھی طب کی تعلیم حاصل کیا کرتے تھے۔ حضرت مسیحؑ نے تو ہزاروں بیماروں کو شفا بخشی تھی اسی لئے آج بھی باکمال اور حاذق اطبا کو "مسیح دوراں" اور "مسیح الملک" جیسے القابات سے یاد کیا جاتا ہے غالب کا مشہور شعر ہے۔

ابن مریم ہوا کرے کوئی　　　میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

آپ حیران ہوں گے کہ بیج بونے والے کی تمثیل بیان کرنے اور اس کی تشریح کرنے کے بعد یوز آسف ایک اور رنگ میں اس تمثیل کی مزید تشریح فرماتے ہیں' اسے علم طب کے اصولوں کے سہارے آگے بڑھاتے اور سننے والوں کے دل نشیں کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں:-

"مہربان طبیب جب دیکھتا ہے کہ کسی مریض کے بدن کو اخلاط فاسدہ نے گھلا دیا ہے اور وہ اس کے بدن کو قوت دینا اور موٹا تازہ کرنا چاہتا ہے تو وہ پہلے ہی ایسی غذا نہیں دیتا ہے جس سے گوشت بڑھے اور قوت پیدا ہو کیونکہ اسے معلوم ہے کہ اگر برے مادوں کے موجود ہوتے ہوئے مقوی غذا دی جائے گی تو نہ کوئی فائدہ ہو گا اور نہ کچھ قوت آئے گی بلکہ وہ پہلے ایسی دوائیں دینا شروع کرتا ہے جن سے برے مادے زائل ہو کر جسم کے رگ و پے صاف ہو جائیں۔ جب یہ کر چکتا ہے تب اس کے مزاج کے موافق کھانا پینا بتاتا ہے جس سے اس کو نفع پہنچے گا اور گوشت اور چربی پیدا ہو گی اور قوت بڑھے گی۔ یہی حال اس زمین کا ہے جس میں آدمی بیج بونا چاہے۔ اگر بونے والا پہلے زمین کو کانٹوں سے صاف نہ کرے گا اور اس کے لئے نہر اور گڑھے نہ کھودے گا اور ان کاموں کے بعد اپنی بساط بھر عمدہ بیج چن کر ٹھیک وقت اور موسم دیکھ کر نہ بوئے گا اور چڑیوں اور کیڑوں سے ان کی

حفاظت نہ کرے گا اور وقت پر پانی نہ دے گا تو یہ دانے ہرگز نہیں اگنے کے اور اگر اگے بھی تو نشوونما نہیں پانے کے۔ کسان کی محنت رائیگاں جائے گی اور مشقت بیکار۔ اس کی امید لغو ثابت ہو گی اور توقع بیہودہ اور خود بیج بھی ضائع ہو جائیں گے نفع کا کیا ذکر۔"
(کتاب بوزاسف وبلوہر صفحہ ۳۵)

منیر صاحب! آپ غور کیجئے کیا یہ انداز بیان اور یہ کلام پکار پکار کر نہیں کہہ رہا کہ یہ خدا کے ایک نبی کا کلام ہے جو حکمت، معرفت اور روحانیت سے پر ہے اور اس انجیل مقدس ہی کا حصہ ہے جو فلسطین سے ہجرت کے بعد حضرت مسیحؑ پر قیام ہندوستان کے زمانے میں نازل ہوئی تھی۔

گم شدہ بھیڑوں کی تمثیل

اور آگے چلئے حضرت مسیحؑ انجیل مقدس میں بار بار فرماتے ہیں کہ میں اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کے علاوہ اور کسی کی طرف نہیں بھیجا گیا۔ میری اور بھی بھیڑیں ہیں جو اس بھیڑ خانے کی نہیں ہیں میں انہیں بھی جمع کروں گا۔ صحیفہ یوز آسف میں یہی بات ایک عجیب اور لطیف تمثیل کے رنگ میں بیان کی گئی ہے اور ایک تمثیلی کردار بلوہر کی زبان سے ادا کروائی گئی ہے مگر صاف معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کے مرتب نے مکالمہ نگاری کے اصولوں کی وجہ سے اسے بلوہر کی طرف منسوب کر دیا ورنہ تمثیل حضرت مسیحؑ (یوز آسف) بیان کر رہے ہیں کیونکہ انجیل میں آتا ہے کہ ——

"یہ سب باتیں یسوع نے بھیڑ سے تمثیلوں میں کہیں اور بغیر تمثیل کے وہ ان سے کچھ نہ کہتا تھا ○ تاکہ جو نبی کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہو کہ —— "میں تمثیلوں میں اپنا منہ کھولوں گا" (متی کی انجیل باب ۱۳ آیت ۳۴ و ۳۵)

گویا انجیل کی رو سے تمثیلوں میں کلام کرنا خاص حضرت مسیحؑ کی خصوصیت تھی اور اس بارے میں تورات میں پیش گوئی کی جا چکی ہے کہ مسیحؑ تمثیلوں میں کلام کرے گا چنانچہ یہاں بھی تمثیل بلوہر نہیں دراصل حضرت مسیحؑ بیان فرما رہے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"سنو! میں ایک تمثیل بیان کرتا ہوں سمندر کے ساحلوں پر ایک پرندہ پایا جاتا ہے جسے "قاوند" کہتے ہیں یہ پرندہ بہت کثرت سے انڈے دیتا ہے لیکن اس کے انڈے دینے کا زمانہ وہی ہوتا ہے جب سمندر میں سخت جوش اور موجوں میں شدت ہوتی ہے اس لئے اس حالت میں وہ ساحل پر ٹھہر نہیں سکتا اور مجبور ہو کر کوئی دوسری جگہ تلاش کرتا ہے اور اپنے انڈوں کو اٹھا اٹھا کر ساتھ لے جاتا ہے اور (راستے میں جو گھونسلے آتے ہیں) ان میں سے ہر پرندے کے گھونسلے میں اس کے انڈوں کے ساتھ اپنا بھی ایک ایک انڈا رکھ دیتا ہے اور وہ پرندے اپنے انڈوں کے ساتھ اس کے انڈے بھی سینتے ہیں اور اپنے بچوں کے ساتھ اس کا بچہ بھی نکالتے ہیں جب سمندر کے جوش اور تلاطم کا زمانہ ختم ہو جاتا ہے اور "قاوند" اپنے اصل وطن یعنی ساحل کو جانا چاہتا ہے تو ان پرندوں کے گھونسلوں کے پاس سے رات کے وقت چلاتا ہوا گزرتا ہے۔ یہ آواز اس کے بچے بھی سنتے ہیں اور دوسرے پرندوں کے بچے بھی مگر اس کی آواز سن کر صرف اس کے بچے اس کے پاس آکر جمع ہو جاتے ہیں دوسرے پرندوں کے بچے نہ اس کی آواز سنتے ہیں اور نہ اس کی آواز کا جواب دے کر اس کی طرف دوڑتے ہیں۔ (کتاب بوزاسف وبلوہر ص ۴۹، ۵۰)

اب آپ حضرت مسیحؑ کی وہ تمثیل دیکھئے جو انجیل میں درج ہے:۔

"اسی طرح میں اپنی بھیڑوں کو جانتا ہوں اور میری بھیڑیں مجھے جانتی (پہچانتی) ہیں اور میری اور بھی بھیڑیں ہیں جو اس بھیڑ خانے کی نہیں مجھے ان کو بھی لانا ضرور ہے اور وہ میری آواز سنیں گی پھر ایک ہی گلہ اور ایک ہی چرواہا ہو گا (یوحنا کی انجیل باب ۱۰ آیت ۱۵، ۱۶)

گویا حضرت مسیحؑ قاوند پرندے کی تمثیل بیان کر کے فرما رہے ہیں کہ:۔

جس طرح "قاوند" کے بچے وطن سے دور منتشر حالت میں ہوتے ہیں اسی طرح حضرت مسیحؑ کے بچے (یعنی ان کی قوم کے لوگ) دوسرے ممالک میں منتشر ہیں۔ جس طرح "قاوند" پرندہ اپنے بچوں کے پاس سے گذرتا ہوا آواز دیتا ہے اور اس کے بچے اس کی آواز سن کر اس کے پیچھے چل پڑتے ہیں اسی طرح مسیحؑ بھی اپنی گم شدہ بھیڑوں کو جو فلسطین سے باہر منتشر ہیں آواز دیں گے اور "قاوند" کے بچوں کی طرح وہ بھی ان کی آواز

سنیں گی اور ان کے اردگرد جمع ہو جائیں گی۔ اسی تمثیل میں آگے چل کر یوز آسف کہتے ہیں کہ:۔

"اسی طرح خدا کے رسول مخاطب تو سب لوگوں کو کرتے ہیں مگر ان کی آواز پر وہی لوگ آتے اور ان کی شریعت کو قبول کرتے ہیں جو ان میں سے ہوتے ہیں اور جو ان میں سے نہیں ہوتے وہ رکے رہتے ہیں اور ان (رسولوں) کے ساتھ دشمنی کرتے ہیں۔"

(کتاب بوز اسف و بلوہر ص ۵۰)

منیر صاحب! آپ خود غور کیجئے اور انصاف کیجئے کہ کیا یہ انداز کلام جناب مسیحؑ کے علاوہ کسی اور کا ہو سکتا ہے۔

آسمانی بادشاہت کی تمثیل

اب ایک اور پہلو کی طرف آیئے جس سے اس حقیقت کا مزید ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ یوز آسف اور حضرت مسیحؑ ایک ہی شخصیت کے نام ہیں اور صحیفہ ء یوز آسف حضرت مسیحؑ کی وہ انجیل ہے جو آپؑ کے ہندوستان میں دوران قیام سے تعلق رکھتی ہے اس نکتے پر بہت غور کرنے کی ضرورت ہے۔

حضرت مسیحؑ فلسطین کے دوران قیام فقیہوں، فریسیوں اور عام یہودیوں کو مخاطب کر کے بار بار **"آسمانی بادشاہت"** کا ذکر فرماتے ہیں اور انجیل **"آسمانی بادشاہت"** اور **"خدا کی بادشاہت"** کے ذکر سے بھری پڑی ہے بطور نمونہ چند مقامات کے حوالے:۔

"اس (یسوع) نے ایک اور تمثیل ان کے سامنے پیش کر کے کہا کہ **"آسمان کی بادشاہی"** اس رائی کے دانے کی مانند ہے جسے کسی آدمی نے لے کر اپنے کھیت میں بو دیا○ وہ سب بیجوں میں چھوٹا تو ہے مگر جب بڑھتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا اور ایسا درخت ہو جاتا ہے کہ ہوا کے پرندے آکر اس کی ڈالیوں پر بسیرا کرتے ہیں (متی کی انجیل باب ۱۳ آیت ۳۱،۳۲)

اسی طرح متی کی انجیل میں آگے چل کر مختلف طریقوں سے **"آسمانی بادشاہت"** کا ذکر کیا گیا ہے مثلاً:۔

"آسمان کی بادشاہی اس خمیر کی مانند ہے۔۔۔۔" (باب ۱۳ آیت ۳۳)

"آسمان کی بادشاہی کھیت میں چھپے ہوئے خزانے کی مانند ہے" (باب ۱۳ آیت ۴۴)

"آسمان کی بادشاہی اس سوداگر کی مانند ہے۔۔۔۔" (باب ۱۳ آیت ۴۵)

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر تم توبہ نہ کرو گے۔۔۔۔ تو "آسمان کی بادشاہی" میں ہرگز داخل نہ ہو گے (متی کی انجیل باب ۱۸ آیت ۳)

اب دیکھئے کہ صحیفہ یوز آسف (کتاب بوز اسف بلوہر) میں کس طرح بار بار آسمان کی بادشاہی پر زور دیا گیا ہے:۔

سمجھ رکھو کہ کوئی شخص (نہ) **آسمانی بادشاہت** کو پا سکتا ہے نہ اس میں قدم رکھ سکتا ہے جب تک علم و ایمان اور عمل خیر کی تکمیل نہ کرے۔ (کتاب بوز اسف و بلوہر صفحہ ۲۵۲، ۲۵۳)

حضرت یوز آسف اپنی اسی تقریر میں آگے چل کر پھر **"آسمانی بادشاہت"** کا ذکر کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"اور تم میں سے کوئی شخص مال و دولت کی طلب کی وجہ سے ہرگز دین پر ایمان نہ لائے بلکہ ضرور ہے کہ تمہارا ایمان **آسمانی بادشاہت** اور نفس کی رہائی کی امید۔۔۔۔ اور اخروی راحت و خوشی کی طلب کی وجہ سے ہو۔" (کتاب کا صفحہ ۲۵۳)

ایک اور مقام پر بادشاہ اور اس کے اہل دربار کو مخاطب کر کے پھر **"آسمانی بادشاہت"** کا ذکر کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ:۔

"پس اے بادشاہ اور اے قوم کے شریف لوگو! جو کچھ تم لوگ مجھ سے سن رہے ہو اس کو سوچو اور جو کچھ میں کہتا ہوں اس کو سمجھو اور جب تک کشتیاں چلتی ہیں دریا سے عبور کر جاؤ اور جب تک راہ نما موجود ہے جنگل کو طے کر لو اور جب تک چراغ جل رہے ہیں سفر کا سامان کر کے راستے پر لگ جاؤ اور اپنے کانوں کو خدا رسیدہ لوگوں

کے (عطا کردہ) خزانوں سے بھر لو اور نیکی و نیکوکاری میں (ان کے) شریک ہو جاؤ اور خلوص سے ان کی پیروی کرو اور ان کے ممد و معاون بن جاؤ اور ان کے اعمال سے مدد لو تاکہ تم آسمانی بادشاہت میں جا پہنچو۔" (کتاب کا صفحہ ۲۵۴)

کیا ان اقتباسات سے ثابت نہیں ہو جاتا کہ یوز آسفؑ اور حضرت مسیحؑ ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ خدا کا جو نبی فلسطین میں لوگوں کو آسمان کی بادشاہت کی طرف بلاتا تھا اور بار بار بلاتا تھا ہندوستان آ کر وہ یہاں کے لوگوں کو بھی آسمان کی بادشاہت کی طرف بلا رہا تھا اور بار بار بلا رہا تھا۔ فلسطین میں بھی وہ لوگوں کو آسمان کی بادشاہت کی طرف بلاتے ہوئے تمثیلیں بیان کرتا تھا اور ہندوستان آ کر بھی وہ تمثیلوں ہی کے ذریعے یہاں کے لوگوں کو آسمان کی بادشاہی کی طرف بلا رہا تھا چنانچہ مندرجہ بالا اقتباس میں بھی ایک تمثیل کے ذریعے سے ہی آسمان کی بادشاہت کی دعوت دی گئی ہے کہ:۔

"جب تک کشتیاں چلتی ہیں دریا کو عبور کر لو۔ جب تک رہنما موجود ہے جنگل کو طے کر لو۔ اور جب تک چراغ جل رہے ہیں سفر کا سامان کر کے راستے پر لگ جاؤ۔"

مال جمع کرنے کی تمثیل

آگے چلئے۔ حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں:۔

"اپنے واسطے زمین پر مال جمع نہ کرو جہاں کیڑا اور زنگ خراب کرتا ہے اور جہاں چور نقب لگاتے اور چراتے ہیں○ بلکہ اپنے لئے آسمان پر مال جمع کرو جہاں نہ کیڑا خراب کرتا ہے نہ زنگ اور نہ وہاں چور نقب لگاتے اور چراتے ہیں○ کیونکہ جہاں تیرا مال ہے وہیں تیرا دل بھی لگا رہے گا○" (متی کی انجیل باب ۶ آیت ۱۹ تا ۲۱)

اب دیکھئے کہ یہ مضمون صحیفہ یوز آسف میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:۔

"لوگ دنیا کے اس مال و متاع کے لئے آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں جس کے بارے میں وہ جانتے ہیں کہ یہ ان کے ہاتھ سے جاتا رہے گا اور اس اعتقاد کو چھوڑ بیٹھے ہیں کہ آخرت کا گراں بہا مال ان کو بھی مل سکتا ہے..... میں نہیں سمجھتا کہ دنیا کا کون سا مال ہمیشہ

رہنے والا ہے اور ان لوگوں سے زیادہ خراب حال اور کون سے لوگ ہیں جو دنیاوی مال و اسباب کو بہت زیادہ سمجھتے ہیں اور اسے جمع کرنے میں از خود رفتہ ہو رہے ہیں کیونکہ وہ دنیا میں جس قدر مال دار ہوں گے اسی قدر آخرت میں محتاج ہوں گے اور دنیا میں جس قدر زیادہ ممتاز ہوں گے اسی قدر اللہ سے دور ہوں گے۔" (کتاب بوذاسف و بلوہر صفحہ ۱۶۱)

منیر صاحب! آپ ان دونوں اقتباسات کا تجزیہ کیجئے۔ فلسطین کے دوران قیام انجیل کی رو سے حضرت مسیحؑ اپنی قوم کو جو نصیحت فرماتے ہیں اس کے بنیادی نکات یہ ہیں:۔

(۱) زمین پر مال جمع نہ کرو کیونکہ یہ ضائع ہو جاتا ہے۔

(۲) آسمان پر مال جمع کرو جہاں جمع کیا ہوا مال کبھی ضائع نہیں ہوتا۔

(۳) جہاں تیرا مال ہو گا وہیں تیرا دل بھی لگا رہے گا۔

دوسری طرف ہندوستان کے دوران قیام حضرت مسیحؑ (یوز آسف) دانائی کی یہی باتیں پھر تے ہیں ان کے بنیادی نکات بھی وہی ہیں بلکہ اسلوب بیان بھی وہی ہے:۔

(۱) لوگ اس دنیاوی مال و دولت کے لئے لڑتے جھگڑتے ہیں جو ان کے ہاتھ سے جاتا رہے گا۔

(۲) آخرت کا مال گراں بہا ہے یعنی بہت قیمتی ہے (جو کبھی ضائع نہیں ہو گا)

(۳) جو لوگ دنیا میں زیادہ مال دار ہوں گے وہ آخرت میں اتنے ہی محتاج ہوں گے کیونکہ انہوں نے مال سے دل لگایا اس لئے وہ اللہ سے دور ہوں گے (اور بقول انجیل جہاں تیرا مال ہے وہیں تیرا دل بھی لگا رہے گا)

ایک حیرت انگیز مماثلت

منیر صاحب! اب ایک اور مماثلت دیکھئے جو بہت ہی حیرت ناک ہے۔ اسلامی لٹریچر اور مذہبیات سے جن لوگوں کو تھوڑی سی بھی آگاہی ہے وہ جانتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ ہمیشہ سفر میں رہتے تھے اور اکثر و بیشتر تنہا ہی سفر کرتے تھے چنانچہ حدیث میں آتا ہے یعنی خود رسول اقدس صلی اللہ علیہ و آلہ سلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح

پر وحی نازل فرمائی کہ اے عیسیٰ ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف سفر کرتے رہو تاکہ تمہیں پہچان کر کوئی ایذا نہ دے سکے (کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۳۴)

آگے چل کر حدیث کی اسی معتبر کتاب میں ایک اور مستند روایت درج ہے کہ جناب مسیحؑ ہمیشہ سفر میں رہتے تھے جہاں شام ہو جاتی تھی وہیں رہ پڑتے تھے اور جنگل کے پھلوں میں سے کچھ پھل کھا لیتے اور (صاف) پانی یعنی چشمے کا پانی پی لیتے تھے۔ (کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۷۱)

یعنی اپنے ساتھ کھانے پینے کی اشیاء نہیں رکھتے تھے نہ سامان سفر پاس ہوتا تھا۔ تاریخ کی مشہور کتاب "روضتہ الصفا" میں بھی حضرت مسیحؑ کے حالات بیان کئے گئے ہیں اس کتاب میں اگرچہ بعض متوحش اور بے سروپا روایات بھی ملتی ہیں مگر حضرت مسیحؑ کے بارے میں ایسی روایات بھی درج ہیں جن کی احادیث سے تصدیق ہوتی ہے ظاہر ہے کہ ایسی روایات نہ صرف قابل قبول ہیں بلکہ سند کا درجہ رکھتی ہیں چنانچہ "روضتہ الصفا" کا فاضل مصنف (احادیث کے حوالے سے) لکھتا ہے کہ :۔

جناب عیسیٰ بن مریم کا نام مسیحؑ اس لئے رکھا گیا کہ آپؑ سیر و سیاحت بہت کرتے تھے (اونٹ یا بھیڑوں) کے بالوں سے بنا ہوا عمامہ آپؑ کے زیب سر ہوتا، کرتا بھی اونٹ یا بھیڑوں کے بالوں کا بنا ہوا ہوتا تھا، ہاتھ میں عصا لئے ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف سفر کرتے رہتے تھے، جہاں رات پڑ جاتی وہیں رہ پڑتے۔ جنگلی پھلوں اور چشموں کا پانی آپؑ کی غذا تھی۔ سفر سواری پر نہیں بلکہ پیدل کرتے تھے۔ (روضتہ الصفا مولفہ میراخوند جلد اول صفحہ ۱۳۰)

اب دیکھئے کہ صحیفہ یوز آسف کے ایک تمثیلی کردار کی زبانی حضرت یوز آسف بھی اپنی یہی خصوصیات بیان کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ :۔

"میرا تو یہ حال ہے کہ نہ تو میرا کوئی مکان ہے جس میں قیام کر سکوں نہ میرے پاس سواری کا کوئی جانور ہے اور نہ سونا چاندی ہے، نہ صبح اور شام کا کھانا ساتھ رکھتا ہوں نہ زائد کپڑا میرے پاس ہے اور کسی شہر میں چند روز سے زیادہ نہیں ٹھہرتا، نہ زاد

راہ لے کر ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتا ہوں"۔ (کتاب بوز اسف و بلوہر صفحہ ۶۳)

احادیث رسولؐ "روضتہ الصفا" اور "صحیفہ یوز آسف" کے بیانات کا غیر جانبدارانہ تجزیہ کیجئے اور دیکھئے کہ کیا یہ ایک ہی شخصیت کے حالات نہیں ہیں؟ گویا احادیث نبوی اور تاریخ دونوں حضرت مسیحؑ کے بارے میں ایک جیسی اطلاع دیتی ہیں کہ آپؑ :۔

(۱) ہمیشہ سفر میں رہتے تھے۔
(۲) کسی شہر یا بستی میں مستقل قیام نہیں فرماتے تھے۔
(۳) سفر سواری پر نہیں بلکہ پیدل کرتے تھے۔
(۴) کھانے پینے کا سامان اور سامان سفر ساتھ نہیں رکھتے تھے۔

دوسری طرف ہندوستان میں وارد ہونے والا مسیحؑ (یوز آسف) بھی اپنی یہی خصوصیات بیان کرتا ہے کہ :۔

(۱) میں چند روز سے زیادہ کسی شہر میں نہیں ٹھہرتا (یعنی ہمیشہ سفر میں رہتا ہوں)۔
(۲) میرے پاس سواری کا کوئی جانور نہیں۔
(۳) نہ میں صبح اور شام کا کھانا اور کپڑے اپنے ساتھ رکھتا ہوں۔
(۴) میرا کوئی مکان نہیں جس میں (مستقل) قیام کر سکوں۔

آپ خود غور کیجئے کہ کیا یہ ایک ہی شخصیت نہیں جو فلسطین میں یسوع تھی اور ہندوستان میں آ کر یوز اور یوز آسف بن گئی دونوں کے حالات زندگی بلکہ طرز زندگی، دونوں کی تعلیمات دونوں کا انداز تبلیغ کیا بالکل ایک جیسا نہیں؟

صحیفہ یوز آسف اور قرآنی تعلیمات میں مماثلت

منیر احمد :۔ پیام صاحب! آپ نے حضرت عیسیٰؑ ابن مریم اور صحیفہ یوز آسف کے اقتباسات پیش کر کے دونوں میں جو مقابلہ کیا ہے وہ اپنی جگہ، لیکن کیا قرآن و حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت یوز آسف درحقیقت حضرت عیسیٰؑ تھے۔

پیام شاہجہانپوری :۔ منیر صاحب! اگر آپ صحیفہ یوز آسف کو غور سے پڑھیں تو اس میں جگہ بہ جگہ ایسی تعلیمات ملتی ہیں جو قرآن و حدیث میں بھی پائی جاتی ہیں یہ بجائے خود اس امر کا ثبوت ہے کہ یوز آسف خدا کا مقدس نبی تھا جو حضرت مسیحؑ کے سوائے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ ایک بات ضرور ذہن میں رکھئے کہ قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ :۔

وہ (اللہ ہی) ہے جس نے (اے رسول) آپ پر یہ کتاب نازل کی جس کی کچھ آیات تو محکم ہیں اور اس کی جڑ کی حیثیت رکھتی ہیں اور کچھ متشابہات (میں داخل) ہیں۔(آل عمران آیت ۷)

اس کی تشریح یہ ہے کہ محکمات تو وہ آیات ہیں' وہ تعلیمات ہے جو صرف قرآن سے خاص ہے اور دنیا کی کسی کتاب میں نہیں پائی جاتی۔ متشابہات وہ آیات ہیں' وہ تعلیمات ہیں جو دوسرے صحائف آسمانی میں بھی پائی جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں بیان کرکے ان کی صداقت کی تصدیق فرما دی اور انہیں اپنی آخری کتاب میں ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا۔ مثال کے طور پر انجیل میں آتا ہے کہ :۔

"خداوند کے نزدیک ایک دن ہزار برس کے برابر ہے اور ہزار برس ایک دن کے برابر (پطرس کا دوسرا خط باب ۳ آیت ۸)

اسی مضمون کو قرآن حکیم اس طرح بیان فرماتا ہے کہ :۔

(اور خدا کے نزدیک کوئی دن تمہارے شمار کے مطابق ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے) (الحج آیت ۴۸)

ایک اور مثال:۔ حضرت مسیحؑ ایک دولتمند کو نصیحت فرماتے ہیں کہ اگر تو کامل ہونا چاہتا ہے تو اپنا (زائد) مال و دولت غریبوں میں تقسیم کر دے مگر وہ آزردہ ہو کر اور پیٹھ پھیر کر چلا گیا۔ یہ دیکھ کر حضرت مسیحؑ نے اپنے شاگردوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ :۔

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ دولتمند کا آسمان کی بادشاہی میں داخل ہونا مشکل

ہے ○ اور پھر تم سے کہتا ہوں کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے نکل جانا اس سے آسان ہے کہ دولتمند خدا کی بادشاہی میں داخل ہو۔ (متی کی انجیل باب ۱۹ آیت ۲۳)

یہی مضمون قرآن حکیم میں بیان ہوا ہے۔ یہ ارشاد خداوندی اس طرح شروع ہوتا ہے کہ جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں اور تکبر سے کام لیتے ہیں ان کے لئے :۔

"آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے نہ گزر جائے" (گویا جس طرح اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے گزرنا' ناممکن ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلانے والوں اور تکبر کرنے والوں کا جنت میں داخل ہونا' ناممکن ہے۔) (الاعراف آیت ۴۰)

یہ دو مثالیں ہیں ورنہ قرآن حکیم گزشتہ انبیاء پر نازل ہونے والے صحائف آسمانی کی تعلیمات اور واقعات سے بھرا پڑا ہے چونکہ اس وقت ذکر حضرت مسیحؑ کا ہو رہا ہے اس لئے صرف وہ چند آیات پیش کی گئی ہیں جو انجیل اور قرآن میں مشترک ہیں۔

منیر احمد :۔ پیام صاحب! آپ اس سے کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

پیام شاہجہانپوری :۔ منیر صاحب! میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جس طرح قرآن کریم نے انجیل مقدس کی تعلیمات کے بعض حصے محفوظ کر کے ان کی صداقت کی تصدیق کر دی اسی طرح جناب یوز آسف کی تعلیمات کو بھی قرآن حکیم میں محفوظ کر لیا گیا اس طرح اس کلام کی بھی تصدیق کر دی گئی کہ یہ بھی خدا کے ایک نبی پر نازل ہوا تھا جس کا نام مسیحؑ تھا اور جو ہندوستان میں یوز آسف کے نام سے مشہور ہوا۔ اب میں جناب یوز آسف کی تعلیمات سے کچھ اقتباسات پیش کرتا ہوں اور ساتھ ساتھ قرآن حکیم کی وہ آیات جن میں میرے ناچیز خیال کے مطابق اس تعلیم کو محفوظ کر دیا گیا ہے۔ جناب یوز آسف فرماتے ہیں :۔

"عادل حکمراں اچھے کاموں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے باز رکھتے ہیں"

(کتاب یوز اسف و بلوہر صفحہ ۵۱)

یہی مضمون قرآن حکیم میں اس طرح بیان ہوا ہے :۔
یعنی یہ لوگ ایسے ہیں کہ جب ہم انہیں دنیا میں حاکم بنا دیں تو یہ لوگ نمازوں کی پابندی کریں اور زکوۃ ادا کریں اور (دوسروں کو بھی) نیک کاموں کا حکم دیں اور بری باتوں سے باز رکھیں۔ (سورۃ الحج رکوع ۱۲ آیت ۳)

منیر صاحب۔ آپ جناب یوز آسف کی تعلیم اور قرآن حکیم کے ارشادات کا تقابل کیجئے اور دیکھئے کہ کیا دونوں کا مفہوم ایک نہیں ہے :۔

یوز آسف :۔ عادل حکمران اچھے کاموں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں۔

قرآن حکیم :۔ جب ہم ان لوگوں (عادل افراد) کو حکمران بناتے ہیں تو یہ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں نیک کاموں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں۔

اور آگے چلئے۔ جناب یوز آسف فرماتے ہیں کہ :۔
ان لوگوں نے اپنے نفس کی پیروی سے نئی راہیں نکالی ہیں جو برائی کا حکم دینے والا اور لذتوں میں پھنسانے والا ہے (کتاب یوز اسف صفحہ ۴۷)
یعنی نفس ہمیشہ برائی کی طرف رغبت دلاتا ہے۔
یہی مضمون قرآن حکیم میں حضرت یوسف علیہ السلام کی زبانی بیان کیا گیا ہے کہ
ان النفس لامارۃ بالسوء (یوسف رکوع ۴ آیت ۱)
(یقیناً نفس تو برائی ہی کی ترغیب دیتا ہے)
یوز آسف فرماتے ہیں کہ :
خداوند تعالیٰ ایسا منصف اور حاکم ہے جو کبھی ظلم نہیں کرتا (کتاب یوز اسف صفحہ ۵۵) یہی مضمون قرآن حکیم میں اس طرح بیان ہوا ہے۔
وما ربک بظلام للعبید (حمٓ السجدہ رکوع ۱۹ آیت ۲)
(یعنی آپ کا رب بندوں پر (ہرگز) ظلم نہیں کرتا) گویا وہ نہایت منصف حاکم ہے۔

یوز آسف فرماتے ہیں :۔
"ایسے لوگ اندھے، گونگے اور بہرے پن میں اور بے بسی و بے کسی میں مثل مردوں کے ہیں پس ان کا نام بھی وہی ہونا چاہئے"۔ (کتاب یوز اسف صفحہ ۶۷)
یہی مضمون قرآن حکیم میں اس طرح بیان ہوا ہے کہ :۔
(آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے (بچا کر) راستہ دکھا سکتے ہیں)۔ (النمل رکوع ۵ آیت ۱۰)
۔ ایک جگہ حضرت یوز آسف فرماتے ہیں کہ :۔
"آسمان و زمین، چاند، سورج اور ستاروں کی پیدائش، آسمانوں کی گردش، پانی کا بہنا اور بادلوں کا چلنا اور کل مخلوقات کا ایک قاعدے کا پابند رہنا تم کو صاف بتا رہا ہے کہ ان مخلوقات کا کوئی خالق ضرور ہے وہی انتظام کرنے والا ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں"۔ (کتاب یوز اسف و بلوہر صفحہ ۷۲)
یہ مضمون بھی قریب قریب اسی قسم کے الفاظ میں ایک سے زیادہ مقامات پر قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے مثلاً :۔
ان فی خلق السموات والارض الخ (البقرۃ آیت ۱۶۴)
(یعنی بلاشبہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے جانے میں اور کشتیوں میں جو لوگوں کو نفع دینے والی چیزیں لے کر سمندر میں چلتی ہیں اور اس پانی میں جو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اتارا اور پھر اس سے زمین کو جو مردہ ہو چکی تھی پھر شاداب کیا اور اس میں ہر قسم کے حیوانات پھیلائے اور ہواؤں کے ادھر ادھر چلنے میں اور ان بادلوں میں جو زمین اور آسمانوں کے درمیان مسخر ہیں اس قوم کے لئے بہت سے نشانات ہیں جو عقل سے کام لیتی ہے۔)
منیر صاحب ! آپ یوز آسف کے ارشاد اور قرآن کریم کے ارشادات عالیہ کا موازنہ کیجئے اور دیکھئے کہ دونوں میں بنیادی تصور ایک ہی ہے۔ دونوں میں ایک ہی مضمون بیان کیا گیا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش، زمین و آسمان کی گردش جس

کے نتیجے میں رات اور دن رونما ہوتے ہیں۔ آسمان سے بارش کے نزول اور اس پانی کے بہنے اور بادلوں کے ادھر سے ادھر پھیلنے میں عقل والے لوگوں کے لئے بہت سے نشانات ہیں۔ یوز آسف ان نشانات کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ ثبوت ہے اس بات کا اس کائنات کا ایک خالق ہے وہی اس کا انتظام کرتا ہے جس کے سوائے کوئی معبود نہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ قرآن کریم کی اس آیت سے پہلے والی بالکل ملحقہ آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ و الھکم الہ واحد الخ (اور تمہارا معبود واحد ہے اکیلا ہے (اس کے سوائے اور کوئی معبود نہیں) یعنی وہی کائنات کا خالق اور منتظم ہے۔

سوال یہ ہے کہ یوز آسف کی تعلیم اور قرآن حکیم کی تعلیم میں اس قدر اشتراک کیسے پیدا ہو گیا؟ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دونوں تعلیمات کا نازل کرنے والا ایک ہی ہے اسی نے یوز آسف کو تعلیم دی جو حضرت مسیحؑ کا دوسرا نام ہے اور اسی نے قرآن کریم نازل فرمایا۔ ورنہ دونوں تعلیمات میں یہ اشتراک ہو سکتا ہی نہ تھا۔

اور آگے چلئے۔ یوز آسف فرماتے ہیں کہ :۔

دنیا بلا شبہ ویسی ہی ہے جیسی تعریف اس کی خدا نے فرمائی ہے یعنی ——— کھیل اور تماشا اور زینت اور ایک دوسرے پر بڑائیاں جتانا اور مال و اولاد کی کثرت کی جستجو میں رہنا۔ (کتاب بوذ اسف و بلوہر صفحہ ۴۷)

یہ مضمون بھی قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان ہوا ہے مثلاً :۔

وما الحیوۃ الدنیا الا لعب و لھو ط (الانعام رکوع ۹ آیت ۳)

المال و البنون زینتہ الحیوۃ الدنیا (الکھف رکوع ۱۷ آیت ۳)

دونوں آیات کا مفہوم وہی ہے جو جناب یوز آسف بیان کرتے ہیں کہ "اور دنیا کی زندگی لہو و لعب کے سوائے اور کچھ نہیں۔ دنیا کی زندگی تو محض مال و دولت اور اولاد کی زینت (میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کا نام) ہے"

اور آگے چلئے اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے :۔

یا یھا الذین امنوا لا تتبعوا خطوات الشیاطین الخ (النور آیت ۲۱)

یعنی اے وہ لوگو! جو ایمان لے آئے ہو شیطان کے پیچھے مت چلو اور جو شخص شیطان کے قدم بہ قدم چلتا ہے اسے جان لینا چاہئے کہ شیطان بدیوں اور ناپسندیدہ باتوں کا حکم دیتا ہے اور اگر تم پر اللہ کا فضل نہ ہوتا تو تم میں سے ایک شخص بھی پاکباز نہ ہوتا البتہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے پاکباز بننے کی توفیق عطا فرما دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت دعائیں سننے والا اور (لا محدود) علم والا ہے۔

اب سنئے! یوز آسف یہی مضمون قریب قریب انہی الفاظ سے ملتے جلتے الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

"شیطان اور اس کے چیلے ہمیشہ انسان کو تباہ کرنے اور گمراہ کرنے میں مشغول و مصروف رہتے ہیں نہ کبھی اس سے گھبراتے ہیں نہ اکتاتے ہیں ان کی تعداد بے شمار (ہے) اور ان کے مکرو فریب سے چھٹکارا سخت دشوار ہے مگر خدا کی مدد اور اس کی قوت سے اس لئے ہم خدا ہی سے چاہتے ہیں کہ اپنی اطاعت میں ہماری مدد کرے اور اپنی قوت سے ہمیں شیطان کے مکرو فریب سے بچائے اور خدائے بزرگ و برتر ہی کے بل پر ہمارا سارا زور اور قوت ہے" (کتاب بوذ اسف و بلوہر صفحہ ۸۰)

منیر صاحب! اب آپ قرآن پاک کے ارشادات عالیہ اور جناب یوز آسف کے ارشاد کا موازنہ کیجئے :۔

"اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اپنے بندوں کو شیطان کے پیچھے چلنے سے منع کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ بیان فرماتا ہے کہ شیطان (اور اس کی ذریت) بدیوں اور ناپسندیدہ باتوں کا حکم دیتے ہیں یعنی اللہ کے بندوں کو گمراہ کرنے میں مشغول رہتے ہیں۔

(۲) حضرت یوز آسف بھی یہی مضمون بیان کرتے ہیں کہ "شیطان اور اس کے چیلے ہمیشہ انسان کو تباہ کرنے اور گمراہ کرنے میں مشغول رہتے ہیں"۔ کیا قرآن کریم کے ارشاد عالیہ اور جناب یوز آسف کے ارشاد میں ذرہ برابر بھی فرق ہے؟

(۳) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر تم پر اللہ کا فضل نہ ہوتا تو تم میں سے ایک شخص

بھی پاکباز نہیں رہ سکتا تھا یعنی شیطان کی دست برد سے کوئی شخص صرف اپنی کوشش سے نہیں بچ سکتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور قوت اس کے ساتھ نہ ہو۔

(۴) جناب یوز آسف بھی یہی مضمون بیان کرتے ہیں کہ :۔

"شیطان کے مکر و فریب سے چھٹکارا حاصل کرنا سخت دشوار ہے مگر خدا کی مدد اور اس کی قوت سے اس لئے ہم خدا ہی سے چاہتے ہیں کہ اپنی اطاعت میں ہماری مدد کرے۔

(۵) دوسری طرف قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت دعائیں سننے والا ہے۔

(۶) یوز آسف بھی اسی سے دعا کرنے کی تلقین کرتے ہیں کہ "اے اللہ اپنی اطاعت میں ہماری مدد کر اور ہمیں شیطان کے مکر و فریب سے بچا"۔

منیر صاحب! یوز آسف کے اشارات اور قرآن حکیم کے ارشادات عالیہ کا موازنہ کرنے کے بعد صاف محسوس ہوتا ہے کہ جناب یوز آسف خدا کے پیغمبر تھے اور ان پر جو وحی نازل ہوئی تھی اس کے بہت سے حصے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں محفوظ کر لئے۔ یعنی انجیل کے دو حصے تھے ایک حصہ وہ جو حضرت مسیحؑ پر فلسطین میں قیام کے دوران نازل ہوا اور دوسرا حصہ وہ جو ہجرت فلسطین کے بعد ہندوستان کے دوران قیام انؑ پر نازل ہوا جب حضرت مسیحؑ کو یوز آسف کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ جس طرح انجیل مقدس کے پہلے حصے کی بعض تعلیمات قرآن حکیم نے محفوظ کر لیں اسی طرح دوسرے حصے کی تعلیمات کے بعض حصے بھی قرآن حکیم میں محفوظ کر لئے گئے۔

منیر صاحب! مضمون طویل ہوتا جا رہا ہے اس لئے میں چند اور مقامات کا تقابل کر کے اجازت چاہوں گا۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے کہ :۔

(جو لوگ برے کام کرتے ہیں انہیں اس کا بدلہ دیا جائے گا اور جو نیک کام کریں گے انہیں اس کی جزا دی جائے گی۔ النجم رکوع ۱۵ آیت ۶)

یہی مضمون جناب یوز آسف بیان کرتے ہیں :۔

جو کوئی نیک عمل کرے گا وہ اس کی جزا پائے گا اور جو کوئی بد عمل کرے گا وہ اس کے سبب سے پکڑا جائے گا (کتاب و بوذ اسف و بلوہر صفحہ ۸۸)

غور کیجئے کیا دونوں مضمونوں میں ذرہ برابر بھی فرق ہے؟ فرق اتنا ہے کہ ایک وحی مکہ میں رسولؐ اقدس پر نازل ہوئی اور دوسری وحی حضرت مسیحؑ (یوز آسف) پر ہندوستان میں نازل ہوئی مضمون دونوں کا ایک ہی ہے۔ آگے چلئے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

ولذکر اللہ اکبر (العنکبوت آیت ۴۵)

(اور اللہ تعالیٰ کا ذکر سب سے بڑا (یا افضل) کام ہے)

یہی مضمون جناب یوز آسف اس طرح بیان کرتے ہیں :۔

"سب سے افضل نیکی خدا کا ذکر ہے" (کتاب بوذاسف صفحہ ۸۹)

رسولؐ پاک اور یوز آسف کے کلام میں مماثلت

منیر احمد :۔ پیام صاحب! قرآن شریف اور یوز آسف کے فرمودات میں اشتراک تو ثابت ہو گیا اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ یوز آسف کوئی انڈین شخصیت نہیں تھی۔ میرا سوال یہ ہے کہ کیا ہمارے رسولؐ پاک اور یوز آسف کے کچھ فرمودات بھی آپس میں ملتے جلتے ہیں :۔

پیام شاہجہانپوری :۔ جی منیر صاحب! اس وقت میرے سامنے جناب یوز آسف کے بعض ایسے فرمودات ہیں جن کا مضمون وہی ہے جو رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے مثال کے طور پر حضورؐ کا ارشاد ہے :۔

"الدنیا سجن المومن و جنته الکافر" (حدیث نبوی)

یعنی دنیا مومن کے لئے دوزخ اور کافر کے لئے جنت ہے۔

دوسری طرف جناب یوز آسف فرماتے ہیں :۔

دنیا نیکو کاروں کا قید خانہ اور بدکاروں کے لئے بہشت ہے" (کتاب بوذ اسف و بلوہر صفحہ ۹۶)

ایک اور جگہ حضورؐ اقدس فرماتے ہیں کہ :۔

"لا یومن احدکم حتی یحب لاخیه ما یحب لنفسه" (حدیث نبوی)

(تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے نفس کے

لئے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے بھائی کے لئے پسند کرتا ہے)

دوسری طرف جناب یوز آسف فرماتے ہیں۔

"دوسروں کے لئے وہی چاہ جو اپنے نفس کے لئے چاہتا ہے" (کتاب بوز اسف صفحہ ۸۴)

ہاں منیر صاحب! یاد آیا قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:۔

"ان اللہ یحب المقسطین (المائدہ آیت ۴۲)

(یقیناً اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے)

دوسری طرف جناب یوز آسف فرماتے ہیں:۔

"اور اللہ تعالیٰ انصاف ہی سے خوش ہوتا ہے" (کتاب بوزاسف وبلوہر صفحہ ۷۲)

عجیب بات یہ ہے کہ قرآن کریم کی جس سورت میں یہ مضمون بیان ہوا ہے وہ پوری سورت حضرت مسیحؑ کے واقعات و حالات کے لئے مخصوص ہے یعنی سورۃ المائدہ۔ یوں لگتا ہے کہ گویا اس میں واضح اشارہ موجود ہے کہ نزول قرآن سے پہلے یوز آسف نام کی جو شخصیت یہ مضمون بیان کر چکی ہے کہ (اللہ تعالیٰ انصاف ہی سے خوش ہوتا ہے) وہ شخصیت مسیحؑ ابن مریم کے سوائے اور کوئی نہیں ہو سکتی کیونکہ چھ سو سال کے بعد قرآن حکیم نے سورہ مائدہ میں جو حضرت مسیحؑ سے مخصوص ہے یہی مضمون بیان کرکے اس امر کی تصدیق کر دی۔

کیا گوتم بدھ سری نگر میں دفن ہیں؟

منیر احمد:۔ پیام صاحب! آپ نے جو حقائق بیان کئے ہیں ان کے وزن کے بارے میں تو قارئین ہی بہتر فیصلہ کریں گے البتہ ایک شبہ باقی رہ گیا ہے کہ کیا حضرت عیسیٰ کی قبر اور یوز آسف کی قبر ایک ہی ہے جبکہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ مہاتما بدھ اپنے وطن سے تبلیغ کرتے ہوئے کشمیر آئے تھے اور وہیں فوت ہو گئے تھے، سری نگر میں انہیں دفن کیا گیا تھا دراصل یہ ان کی قبر ہے یعنی گوتم بدھ کی۔

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب! گوتم بدھ کے کشمیر میں دفن کئے جانے کی روایت

قطعاً" غلط اور خلاف واقعہ ہے۔ یوں بھی تاریخ دراصل نام ہی روایات کے مجموعے کا ہے۔ ان میں صحیح روایات بھی ہوتی ہیں اور غلط بھی۔ جو شخص حقائق تک پہنچنا چاہتا ہے یہ کام اس کا ہے کہ ان روایات کی چھان پھٹک کرے اور دیکھے کہ ان میں سے کون سی روایت واقعات اور عقل سے مطابقت رکھتی ہے اسے قبول کرلے صحیح تاریخ اسی طرح بنتی ہیں۔ آپ نے جس شبہ کا اظہار کیا ہے اسے دور کرنے کا بہت سیدھا اور صاف طریقہ موجود ہے۔ یہ معلوم کیا جائے کہ مہاتما بدھ کہاں فوت ہوئے اور یوز آسف نے کہاں وفات پائی اور دونوں کی آخری رسوم کس طرح ادا کی گئیں۔ اگر دونوں کا مقام وفات ایک ہی ہے اور دونوں کی آخری رسوم ایک ہی طرح ادا کی گئیں پھر تو آپ کا شبہ درست ہے ورنہ نہیں۔ جب ہم تاریخ کی طرف رجوع کرتے ہیں تو مندرجہ ذیل حقیقت ہمارے سامنے آتی ہے ۔۔۔۔

تاریخ کا ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ مہاتما بدھ "کپل وستو" کے رہنے والے اور وہاں کے شہزادے تھے اور کپل وستو ہندوستان کے صوبہ بہار میں واقع تھا۔ انتہائی مستند روایت کے مطابق مہاتما بدھ:۔

"کپل وستو سے ۸۰ میل دور "کوسی نارا" (KUSINARA) کے مقام پر فوت ہوئے یہ جگہ بنارس سے ۱۲۰ کلومیٹر دور شمال مشرق کی جانب واقع تھی" (انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھیکس (ETHICS) جلد دوم صفحہ 883 نیویارک 1909ء)

ان کی آخری رسوم کس طرح ادا کی گئیں؟ اس کی ساری تفصیل انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن کی اسی جلد میں درج ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:۔

"ان (مہاتما بدھ) کی نعش پر چھ دن تک روایتی مذہبی گیت گائے گئے ساتویں دن شہر (کوسی نارا) سے باہر لے جاکر ان کی میت کو آٹھ ممتاز مذہبی رہنماؤں نے خوشبودار لکڑیوں کی چتا پر رکھ کر نذر آتش کر دیا"۔ (صفحہ ۸۸۴)

منیر صاحب! یہ ایسی حقیقت ہے جسے چیلنج نہیں کیا جاسکتا کہ گوتم بدھ نے بنارس کے قریب وفات پائی اور مقام وفات کے قریب ان کی میت کو نذر آتش کر دیا گیا۔ اب دیکھئے

کہ جناب یوز آسف نے کہاں وفات پائی اور ان کی آخری رسوم کس طرح ادا کی گئیں۔
اس سلسلے میں صحیفہ یوز آسف ہماری سب سے بہتر رہنمائی کرتا ہے اس کے بعد کشمیر کی
قدیم تاریخیں ہمیں روشنی دیتی ہیں۔ صحیفہ یوز آسف کے عربی مترجم عبداللہ ابن المقنع
نے جو دوسری صدی ہجری کا فاضل تھا یعنی آج سے قریبا ساڑھے بارہ سو سال قبل گزرا
ہے کتاب کے آخری صفحے پر وضاحت کی ہے کہ :۔

"اہل ہند کے عقیدے کے مطابق بوذاسف (یوز آسف) خدا کے ان رسولوں میں
سے تھا جو اگلے زمانوں میں ہو گذرے ہیں۔ وہ ہندوستان کے شہر بہ شہر پھرا تھا اور اس
طرح سے پھرتا ہوا کشمیر پہنچا جو اس کے سفر کا ختمی ثابت ہوا اس لئے کہ موت نے (اسے)
یہاں سے آگے نہ بڑھنے دیا۔ (کتاب بوذاسف و بلوہر ص ۲۵۹ - ۲۶۰)

منیر صاحب! آپ نے دیکھ لیا کہ تاریخ کہتی ہے کہ گوتم بدھ نے بنارس (یوپی) کے
مضافات میں وفات پائی جبکہ یوز آسف نے کشمیر میں وفات پائی۔ گوتم بدھ کی نعش کو چتا پر
رکھ کر نذر آتش کیا گیا جبکہ یوز آسف کو سری نگر میں دفن کیا گیا جہاں آج تک ان کا مزار
موجود ہے۔ ایک قدیم فارسی کتاب "تاریخ قاسم باغ" کے مصنف نے بھی تسلیم کیا ہے کہ
یہ مزار جناب یوز آسف کا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ :۔

گشت مبعوث خلق و شد ہادی — عاقبت رخت بست ازیں وادی
ہست آں مشکبوئے تربت او — کہ بہ یوز آسف است شہرت او

("تاریخ قاسم باغ" بحوالہ نگارستان کشمیر ۲۸۵ مولفہ قاضی ظہور الحسن ناظم سیوہاروی)
(یعنی اسے (یوز آسف) کو لوگوں کی اصلاح کے لئے بھیجا گیا اور وہ ان کا ہادی بنا۔ اسی وادی
(کشمیر) میں اس نے عالم آخرت کی طرف رخت سفر باندھا۔ اس کے مزار سے مشک کی
خوشبو آتی ہے، یہ وہی ہے جو یوز آسف کے نام سے مشہور ہے)۔

کشمیر کی ایک اور بہت مستند فارسی تاریخ "تاریخ اعظمی" میں بھی یہی اطلاع دی گئی
ہے کہ "درعوام مشہور است کہ آں جا پیغمبر آسودہ است کہ در زمانہ سابقہ در کشمیر مبعوث
شد۔" (تاریخ اعظمی صفحہ ۸۲)

(عوام میں مشہور ہے یعنی یہ بات زبان زد خلائق ہے کہ اس مقام پر ایک پیغمبر ابدی
نیند سو رہا ہے جو زمانہ گزشتہ میں وادی کشمیر کی طرف بھیجا گیا تھا)

آگے چل کر اسی کتاب میں صراحت کی گئی ہے کہ اس پیغمبر کا نام یوز آسف تھا اس کا
مزار سری نگر میں خانیار سے متصل واقع ہے۔ (تاریخ اعظمی صفحہ ۸۲)

گویا ثابت ہو گیا کہ یوز آسف کو کشمیر (سری نگری) میں دفن کیا گیا تھا اور زمانہ قدیم
سے یہ بات زباں زد خلائق ہے کہ یوز آسف خدا کے نبی تھے جو کشمیر کی طرف بھیجے گئے
تھے۔ جبکہ مہاتما بدھ کو صوبہ بہار کے مشہور شہر "گیا" میں اللہ تعالیٰ کا عرفان حاصل ہوا اور
اسی (۸۰) سال کی عمر پا کر یوپی کے شہر بنارس کے قریب (کوسی نارا) کے مقام پر فوت
ہوئے اور ان کی نعش کو وہیں نذر آتش کر دیا گیا۔

منیر احمد:۔ پیام صاحب آپ کے دلائل سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ گوتم بدھ اور یوز
آسف دونوں کا آپس میں کوئی تعلق نہیں یعنی دونوں کے زمانے اور دونوں کی شخصیتیں
جدا جدا ہیں حتیٰ کہ دونوں کے مقام وفات اور آخری رسوم ادا کرنے کے طریقے بھی ایک
دوسرے سے مختلف تھے۔ میرا دوسرا سوال یہ تھا کہ اس کا کیا ثبوت ہے کہ یوز آسف ہی
حضرت عیسیٰؑ تھے اور یوز آسف کی قبر دراصل حضرت عیسیٰؑ کی قبر ہے؟

یوز آسف کی قبر، مسیحؑ کی قبر ہے

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب! آپ کا سوال بہت معقول اور بلاشبہ جواب طلب
ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے تو میں خود صحیفہ یوز آسف سے شہادتیں پیش کروں گا
کیونکہ اس کا عربی مترجم (عبداللہ ابن المقنع) آج سے قریباً ساڑھے بارہ سو سال پہلے گذرا
ہے وہ ایک غیر جانبدار اسکالر تھا اور نہ اس وقت اس معاملے نے کسی مذہبی یا تاریخی
تنازعے کی صورت اختیار کی تھی جس میں وہ کسی جانب داری سے کام لیتا اس کے سامنے
جو واقعات تھے وہ اس نے بے کم و کاست بیان کر دئے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ :۔

"اہل ہند کے عقیدہ کے موافق ...... بوذاسف (یوز آسف) خدا کے رسولوں

میں سے تھا جو اگلے زمانوں میں ہو گذرے ہیں اور وہ ہندوستان میں شہر بہ شہر پھرا تھا اور جس شہر میں پہنچتا تھا وہاں کے رہنے والے اس پر ایمان لاتے اور اس کے علم سے نفع اٹھاتے تھے۔ اسی طرح سے پھرتا ہوا کشمیر پہنچا جو اس کے سفر کا منتہٰی ثابت ہوا اس لئے کہ موت نے یہاں سے اسے آگے نہ بڑھنے دیا۔

جب وہ مرنے لگا تو اس نے اپنے ایک شاگرد کو جس کا نام "ابابیل" (یا "ابابد") تھا اور جس نے اس کی بڑی خدمت کی تھی اور سب امور میں کامل تھا یہ وصیت کی کہ میں نے لوگوں کو تعلیم دی' خدا سے ڈرایا "بِیعَہ" کی خوب نگہداشت کی....... اور ایمان والوں کی جماعت کو جو منتشر تھی مجتمع کیا اور انہی کے لئے میں بھیجا گیا تھا"۔ (کتاب بوذاسف وبلوہر صفحہ ۲۵۹' ۲۶۰)

اس بیان کا غیر جانبدارانہ تجزیہ کرنے کے بعد تین نکات سامنے آتے ہیں:۔

(۱) یوز آسف کسی باہر کے علاقہ سے کشمیر میں آئے تھے اور وہ یہیں فوت ہو گئے۔

(۲) فوت ہونے سے پہلے انہوں نے اپنے ایک شاگرد سے جس کا نام "ابابیل" یا "ابابید" تھا جو آخری الفاظ کہے وہ یہ تھے کہ "میں نے لوگوں کو تعلیم دی انہیں خدا سے ڈرایا اور "بِیعَہ" کی بہت اچھی طرح نگرانی کی۔ اصل عربی الفاظ یہ ہیں جن کا میں عکس پیش کرتا ہوں۔

يقول لتلميذه ابابيد في وصيته الاخيرة اني قد علّمت واظلت
واحسنت البيعة ووضعت فيها مصابيح (عربی نسخہ صفحہ ۲۸۵)

(یعنی اپنے شاگرد ابابیل۔ ابابید) کو وصیت کرتے ہوئے کہا کہ میں نے لوگوں کو خدا سے ڈرنے کی تعلیم دی اور "بِیعَہ" کی نہایت احسن طریقے سے نگہداشت کی اور اس میں چراغ روشن کئے۔)

اسلامیات اور تاریخ مذاہب کا معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ "بِیعَہ" (جسے اردو ترجمے میں غلطی سے بیعت بنا دیا گیا) مسیحی مذہب کی عبادت گاہ کو کہتے ہیں اور خود قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیحؑ کی امت کی عبادت گاہوں کو یہی نام عطا فرمایا ہے چنانچہ سورہ حج کے رکوع نمبر ۵ کی آیت نمبر ۲ میں مسیحیوں کی عبادت گاہوں کے لئے اللہ

تعالیٰ نے "بِیَع" کا لفظ استعمال فرمایا ہے جو "بِیعَہ" کی جمع ہے۔ گویا ثابت ہو گیا کہ اپنے شاگرد "ابابیل" (یا ابابد) کو وصیت کرنے والا بزرگ حضرت مسیح ناصریؑ تھا جو عالم نزع سے قبل اعلان کر رہا تھا کہ میں نے تم لوگوں کے لئے اللہ کا گھر تعمیر کر دیا ہے جسے وہ "بِیعَہ" کا نام دیتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ میں نے اس کی نہایت احسن طریقے سے نگہداشت کی اور اس میں چراغ روشن کر دئے ہیں۔

منیر صاحب! اب ذرا اپنے ذہن میں وہ واقعہ تازہ کیجئے جب حضرت ابراہیمؑ اپنے فرزند حضرت اسمٰعیلؑ کے ساتھ مل کر خانہء کعبہ تعمیر کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت فرما رہا تھا کہ میرے اس گھر کو طواف کرنے والوں' قیام کرنے والوں رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک و صاف رکھنا۔ بالکل اسی طرح حضرت مسیحؑ بھی اپنے شاگردوں کو نصیحت و وصیت فرما رہے ہیں کہ میں نے "بِیعَہ" (کو قائم کیا اور اس) کی خوب نگہداشت کی ہے اور اس میں چراغ روشن کئے ہیں یعنی اسے پاک و صاف رکھا ہے اور شرک و بدعت کی ظلمات سے بچایا ہے پس تم بھی میرے نقش قدم پر چلتے ہوئے بیعہ (اللہ کے گھر) کو ظاہری اور باطنی دونوں قسم کی آلودگی سے پاک رکھنا۔

یوز آسف کی اس وصیت میں "بِیعَہ" کا لفظ کلید کی حیثیت رکھتا ہے۔ یوز آسف اگر حضرت مسیحؑ نہ ہوتے تو وہ اپنی امت کی عبادت گاہ کے لئے "بِیعَہ" کا لفظ ہرگز استعمال نہ کرتے جو قرآن حکیم نے صرف اور صرف حضرت مسیحؑ کی امت کی عبادت گاہ کے لئے استعمال کیا ہے۔

(۳) اپنی وصیت میں یوز آسف فرماتے ہیں کہ میں نے ایمان والوں کی جماعت کو جو منتشر تھی مجتمع کیا اور انہی کے لئے میں بھیجا گیا تھا۔ وصیت کے ان الفاظ نے مسئلہ پوری طرح حل کر دیا کہ وصیت کرنے والی شخصیت حضرت مسیح ناصریؑ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایمان والوں کی جماعت کو جو منتشر تھی مجتمع کر دیا۔ یہ اشارہ ہے بنی اسرائیل کی طرف جنہیں آپؑ اپنی گم شدہ بھیڑیں قرار دیتے تھے اور جن کی طرف جانے کے بار بار اشارے دیتے تھے مثلاً:۔

"اسرائیل کی ایک گمشدہ بھیڑ بھی تلاش کی جائے (ملخص۔ متی کی انجیل باب ۱۸ آیت ۱۲)

میری کچھ اور بھیڑیں بھی ہیں جو اس بھیڑ خانے کی نہیں مجھے ان کو بھی لانا (یعنی جمع کرنا) ضرور ہے (یوحنا کی انجیل باب ۱۰ آیت ۱۶)

انجیل میں حضرت مسیحؑ اپنی گمشدہ بھیڑوں کی طرف جانے اور انہیں تلاش کرنے کا اشارہ دیتے ہیں انہیں لانے یعنی جمع کرنے کا اعلان کرتے ہیں اور اپنی اس دوسری انجیل (یعنی صحیفہ بوذاسف و بلوہر) میں اپنے شاگرد ابابیل کو بتاتے ہیں کہ میں نے اپنا مشن مکمل کر لیا اور ایمان والوں کی جماعت کو جو منتشر تھی مجتمع کر دیا۔

آگے چل کر اسی کتاب (بوذاسف و بلوہر) میں فرماتے ہیں کہ

"اور انہی کے لئے میں بھیجا گیا تھا" (صفحہ ۳۶۰)

یعنی میں نے ایمان والوں کی جس منتشر جماعت کو مجتمع کیا ہے میں انہی کی طرف بھیجا گیا تھا۔ کیا یہ اپنے اس ارشاد کی طرف واضح ترین اشارہ نہیں کہ:۔

"میں اسرائیل کی منتشر (گم شدہ) بھیڑوں کی طرف انہیں اکٹھا کرنے کی غرض سے بھیجا گیا ہوں:۔

دوسری طرف قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ حضرت مسیحؑ کے بارے میں فرماتا ہے کہ:۔

ورسولا الی بنی اسرائیل (آل عمران آیت ۴۹)

اور (اللہ تعالیٰ مسیحؑ کو) بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر مبعوث فرمائے گا)

اب بات پوری طرح واضح ہو گئی کہ اپنی وفات کے وقت اپنے شاگرد کو وصیت کرنے والا کہہ رہا ہے کہ میں نے (اپنی قوم کے) منتشر افراد کو ایک ہاتھ پر جمع کر دیا ساتھ یہ بھی فرما رہا ہے کہ یہی وہ لوگ ہیں جن کی طرف مجھے رسول بنا کر بھیجا گیا تھا۔ معلوم دنیا کی معلوم تاریخ میں حضرت مسیحؑ کے علاوہ اور کوئی نبی ایسا نہیں گذرا جس نے یہ دعویٰ کیا ہو کہ مجھے گمشدہ بھیڑوں کی طرف بھیجا گیا ہے اور اس کے اس دعوے کی انجیل اور قرآن دونوں نے تصدیق کی ہو پس ثابت ہو گیا کہ کشمیر کے مقام سری نگر میں اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کرنے والا پیغمبر مسیحؑ ابن مریمؑ کے سوائے کوئی نہیں تھا جس نے آنے والی

نسلوں اور قوموں پر اتمام حجت کی غرض سے یہ فیصلہ کن اعلان کر دیا کہ میں وہی رسول ہوں جسے اپنی قوم کے گمشدہ افراد کی تلاش کے لئے بھیجا گیا تھا اور یہ مشن میرے سپرد کیا گیا تھا کہ میں انہیں تلاش کرنے کے لئے سفر دور دراز اختیار کروں اور پھر انہیں مجتمع کر کے ان کے لئے بیعہ (اللہ کا گھر) تعمیر کروں اور اسے ہر قسم کی آلودگی سے پاک و صاف رکھوں اور اس میں ضلالت اور گمراہی سے محفوظ رکھنے والے چراغ روشن کروں سو تم گواہ رہو کہ میں نے اپنا مشن مکمل کر لیا اور اب میں دنیا سے رخصت ہو رہا ہوں تم میرے مشن کو جاری رکھنا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس وصیت نامے سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کم از کم کشمیر میں بنی اسرائیل کی بہت بڑی تعداد حضرت مسیحؑ پر ایمان لے آئی تھی کیونکہ آپؑ اپنے شاگردوں سے جو وہاں موجود تھے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ:۔

"تم سب کو لازم ہے کہ اپنے فرائض کی نگہداشت کرو اور جس امر حق کو تم نے شکر گذاری کی وجہ سے پایا ہے اسے ہر گز ہاتھ سے نہ دو اور "ابابیل" کو اپنا سردار سمجھو"۔ (کتاب کا صفحہ ۲۶۰)

یوز آسف کا بیان کہ وہ غیر ملک سے آئے ہیں

منیر احمد:۔ پیام صاحب! یہ تو صحیفہ یوز آسف کی اندرونی شہادتیں ہیں کیا ان کے علاوہ بھی کچھ شہادتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یوز آسف ہی حضرت عیسیٰؑ تھے؟ میرا مطلب ہے کہ بیرونی شہادتیں بھی ہیں؟

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب! میں کچھ بیرونی شہادتیں بھی پیش کروں گا مگر اس انٹرویو کے دوران مجھے صحیفہ یوز آسف سے کچھ اندرونی شہادتیں اور مل گئی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ بھی پیش کر دوں ان پر بہت غور کرنے کی ضرورت ہے۔ روایت کے مطابق ہندوستان کا ایک کاہن جناب یوز آسف کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:۔

"آپ وہ مقتدیٰ و امام ہیں جن کے آنے کا سارا ہندوستان امیدوار ہے اور نیک بختی کے وہ روشن ستارے ہیں جس کے نکلنے کا سب کو انتظار ہے آپ کے

آنے کا ذکر سابق زمانے کی (ان) روایتوں میں ہے جو دین کے پیشواؤں سے منقول ہیں"۔ (کتاب بوزاسف و بلوہر صفحہ ۲۲۲)

اس اقتباس پر اگر تھوڑا سا بھی غور کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ کاہن موصوف یوز آسف کو ایسا مرسل قرار دے رہا ہے جو ہندوستان میں پیدا نہیں ہوا بلکہ کسی بیرون ملک سے آیا تھا کیونکہ وہ کہتا ہے کہ:۔

"آپ کے آنے کا سارا ہندوستان انتظار کر رہا تھا"۔

یہ الفاظ اسی شخص کے لئے استعمال کئے جا سکتے ہیں جو کہیں باہر سے آیا ہو۔ اس روایت کی ایک دوسری روایت سے تائید ہوتی ہے چنانچہ اس کتاب کا ایک تمثیلی کردار "بلوہر" جناب یوز آسف سے کہتا ہے کہ:۔

"تو ایسے ملک میں ہے جہاں کے باشندوں کو شیطان نے انواع و اقسام کے حیلوں اور طرح طرح کے مکروں میں پھنسا رکھا ہے"۔ (کتاب کا صفحہ ۷۹، ۸۰)

ان الفاظ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یوز آسف کہیں باہر سے آئے تھے، وہ یہاں کے باشندوں کے اطوار و کردار سے اچھی طرح واقف نہ تھے اس لئے "بلوہر" انہیں مطلع کر رہا ہے اور یہاں کے لوگوں کا یہ کہہ کر تعارف کرا رہا ہے کہ تو ایسے ملک میں ہے جہاں کے رہنے والے شیطان کے دام فریب میں گرفتار ہو چکے ہیں۔ اگر جناب یوز آسف یہیں کے باشندے ہوتے تو "بلوہر" کو انہیں یہ نئی اطلاع دینے کی کیا ضرورت تھی کہ یہاں کے لوگ شیطان کے قبضے میں آچکے ہیں وہ تو خود یہ بات جانتے ہوں گے۔

اب ایک اور روایت دیکھئے جس نے بات کو پوری طرح واضح کر دیا۔ اس روایت کے مطابق یوز آسف ایک زاہد کو جو زخموں سے چور اور قریب المرگ تھا اپنا احوال سناتے ہوئے بتاتے ہیں کہ:۔

"آخر میرے ملک کا ایک مسافر میرے پاس پہنچا، اس نے مجھے ان دشمنوں کے ملک سے نکل بھاگنے کی راہ بتائی اور اس کے نشیب و فراز میرے ذہن نشین کر دیئے"۔ (کتاب کا صفحہ ۱۵۲، ۱۵۳)

منیر صاحب! اب تو پوری طرح ثابت ہو گیا کہ جناب یوز آسف غیر ملکی شخص تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ ------ "میرے ملک کا ایک مسافر میرے پاس پہنچا" ------ کے الفاظ کبھی استعمال نہ کرتے۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ جناب یوز آسف اس وقت ایک غیر ملک میں تھے اور ان کے ملک (فلسطین) کا ایک یہودی جو اس علاقے میں آمد و رفت رکھتا تھا یہیں رہ پڑا تھا ان کے پاس آیا اور انہیں اس علاقے سے نکل جانے کا مشورہ دیا اور راستے کے سلسلے میں بھی ان کی راہنمائی کی۔ یہ واقعہ اس وقت کا معلوم ہوتا ہے جب جناب یوز آسف (حضرت مسیحؑ) ان برہمنوں کی طرف سے خطرہ محسوس کر رہے تھے جن کے غلط عقائد کو آپؑ نے چیلنج کیا تھا اور اس ظلم کی مذمت کر رہے تھے جو یہ برہمن شودروں پر روا رکھتے تھے۔ حضرت مسیحؑ کے اس طریقہ کار کی وجہ سے برہمن آپؑ کے سخت مخالف ہو گئے تھے۔ یہ واقعہ مشہور روسی سیاح نکولس نوٹوچ نے اپنی کتاب "THE UNKNOWN LIFE OF CHRIST" میں بیان کیا ہے۔ (صفحہ ۱۴۶، ۱۴۷)

سوچئے اور سو بار سوچئے کہ اگر جناب یوز آسف ہندوستان کے رہنے والے ہوتے تو وہ کبھی یہ نہ کہتے کہ ------ "آخر میرے ملک کا ایک مسافر میرے پاس پہنچا ------" اس سے ثابت ہو گیا کہ جناب یوز آسف یقینی طور پر کسی غیر ملک سے آئے تھے۔

یوز آسف کا وطن فلسطین تھا

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ ملک کون سا تھا جہاں سے یوز آسف ہندوستان آئے تھے؟ صحیفہ یوز آسف کی مندرجہ ذیل روایت نے یہ مسئلہ ہمیشہ کے لئے حل کر دیا:۔

"اسی زمانے میں خدا نے ایک فرشتہ یوز آسف کے پاس بھیجا.......... جب فرشتہ ظاہر ہوا اور اس نے انہیں سلامتی کی بشارت دی تو یوز آسف نے سجدہ کیا پھر کہا کہ جس نے تجھے میرے پاس بھیجا ہے میں اس کا شکر گذار ہوں کیونکہ اس نے مجھ پر عنایت و رحمت کی اور مجھے دشمنوں کے ہاتھ میں نہیں چھوڑا اور میری بے قراری پر توجہ کی (کتاب بوزاسف و بلوہر صفحہ ۲۴۸، ۲۴۹)

جناب یوز آسف کے خط کشیدہ الفاظ ہماری توجہ کے مستحق ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے اس احسان کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے انہیں ——— "دشمنوں کے ہاتھ میں نہیں چھوڑا" ——— یہ واضح ترین اشارہ ہے اس واقعہ کی طرف جب آپؑ دشمنوں کے ہاتھوں میں پھنس گئے تھے اور انہوں نے حضرت مسیحؑ کو صلیب پر چڑھا کر یہ سمجھ لیا تھا کہ وہ آپؑ کو ہلاک کرنے میں کامیاب ہو گئے مگر جناب یوز آسف اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکر گزاری کا اظہار کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ تو نے مجھ پر عنایت و رحمت کی اور دشمنوں کے ہاتھ سے نجات دیدی یعنی صلیبی موت سے بچالیا۔ ساتھ ہی ایک اور بات بھی فرمادی کہ :۔

"اور میری بے قراری پر توجہ کی"۔

اس جملے نے سارا عقدہ حل کر دیا۔ غور کیجئے کہ حضرت مسیحؑ پر بے قراری کس کس وقت طاری ہوئی تھی؟ انجیل کہتی ہے کہ جب حضرت مسیحؑ کو یقین ہو گیا کہ آج کی رات انہیں صلیب پر ہلاک کرنے کے لئے گرفتا کیا جائے گا تو آپؑ پر سخت بے قراری کی کیفیت طاری ہوئی اور آپؑ نے اپنے شاگردوں سے (گتسمنی کے مقام پر) کہا کہ :۔

"میری جان نہایت غمگین ہے یہاں تک کہ مرنے کی نوبت پہنچ گئی ہے...... پھر ذرا آگے بڑھا اور منہ کے بل گر کر یوں دعا کی کہ اے میرے باپ! اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے (پھر شاگردوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ) جاگو اور دعا کرو تا کہ آزمائش میں نہ پڑو۔ روح تو مستعد ہے مگر جسم کمزور ہے ○ پھر دوبارہ اس نے جا کر یوں دعا کی کہ اے میرے باپ اگر یہ (پیالہ) میرے پیئے بغیر نہیں ٹل سکتا تو تیری مرضی پوری ہو ○ (متی کی انجیل باب ۲۶ آیت ۳۸ تا ۴۲)

یہ تھی وہ بے قراری کی کیفیت جو یہودیوں کے ہاتھوں گرفتار ہونے اور صلیب پر چڑھنے سے پہلے آپؑ پر طاری ہوئی تھی اور یہ بے قراری اپنی جان کے خوف سے نہ تھی بلکہ آپؑ یہ سوچ کر بے قرار ہو رہے تھے کہ تبلیغ دین کا جو کام آپ کے سپرد ہوا ہے وہ

نامکمل رہ جائے گا۔ دوسری بار پھر آپؑ پر بے قراری کی کیفیت اس وقت طاری ہوئی جب آپؑ کو صلیب پر چڑھایا گیا اور آپؑ نے انتہائی کرب کے عالم میں اللہ تعالیٰ سے فریاد کی کہ :۔

"ایلی ایلی لما شبقتنی" (متی کی انجیل باب ۲۷ آیت ۴۶)

یعنی اے اللہ! اے اللہ! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ یہ واقعہ یاد کر کے گویا حضرت مسیحؑ عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ میں اقرار کرتا ہوں کہ تو نے مجھے ہرگز نہیں چھوڑا اور :۔

"میری بے قراری پر توجہ کی"۔

پس ان چاروں روایتوں اور صحیفہ یوز آسف کی ان اندرونی شہادتوں نے ثابت کر دیا کہ یوز آسف ہندوستان کے باشندے نہیں تھے بلکہ بیرون ملک سے ہندوستان آئے تھے۔ یہ وہی شخصیت تھی جسے اس کے دشمنوں نے صلیب پر چڑھا کر ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی مگر اللہ تعالیٰ کو اس کی گریہ و زاری پر رحم آیا۔ اس نے اپنے اس مصیبت زدہ مقدس بندے پر توجہ کی' اس کی دعا قبول فرما کر اسے اس کے دشمنوں سے بچالیا اور ظاہر ہے کہ یہ شخصیت سوائے حضرت مسیحؑ کے اور کوئی نہیں ہو سکتی۔

بیرونی شہادتیں کہ مسیحؑ ہی یوز آسف تھے

منیر احمد :۔ پیام صاحب! صحیفہ یوز آسف کی بہت سی اندرونی شہادتیں آپ نے اپنے موقف کے حق میں پیش کر دیں۔ میرا سوال تھا کہ ان کے علاوہ بھی کیا کچھ شہادتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہو کہ یوز آسف ہی حضرت عیسیٰؑ تھے میرا مطلب ہے کیا بیرونی شہادتوں سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

پیام شاہجہانپوری :۔ جی منیر صاحب! بیرونی شہادتیں بھی ہیں' ایک نہیں بہت سی۔ مورخین نے یوز آسف کی جو تشریح کی ہے اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ نام حضرت مسیحؑ ہی تھا کیونکہ اس کی معنویت یہی تقاضا کرتی ہے چنانچہ "جیسز ان روم" (Jesus In Rome) کے مصنفین کی تشریح کے مطابق فارسی زبان میں یوز آسف کے معنی ہیں

زخموں سے صحت یاب کرنے والوں کا قائد و رہبر اور ارامی زبان میں یوز آسف کے معنی ہیں "یسوع۔ اکٹھا کرنے والا"۔ (Jesus In Rome, P-81)
تھوڑا سا بھی غور کیا جائے تو یہ دونوں معنی پوری طرح جناب مسیحؑ پر صادق آتے ہیں

بلکہ اس زمانے میں آپؑ کے علاوہ اور کسی پر صادق آتے ہی نہیں تھے۔ یوز آسف کے پہلے معنی بیان کئے گئے ہیں "زخموں سے صحت یاب کرنے والوں کا رہنما"۔ کیا یہ عجیب بات نہیں کہ حضرت مسیحؑ کو صلیب پر چڑھنے سے قبل کوڑے مار کر زخمی کیا گیا' پھر صلیب پر چڑھاتے وقت ہاتھوں میں میخیں ٹھونک کر زخمی کیا گیا' آخر میں صلیب سے اتارتے وقت پسلی میں نیزہ مار کر زخمی کیا گیا۔ آپؑ کے شاگردوں نے موثر علاج کے ذریعے آپؑ کو صحت یاب کیا جن کے آپؑ رہنما تھے۔ اس وقت کی معلوم تاریخ میں آپ کے سوائے اور کسی شخص کی یہ خصوصیت نہیں کہ جسے زخمی کیا گیا ہو پھر زخموں سے صحت یاب کرنے والوں کی ایک جماعت (حواریوں) نے اس کا علاج کیا ہو' اس علاج سے وہ صحت یاب ہو گیا ہو اور اس جماعت کا وہ رہنما بھی ہو' یہ خصوصیت صرف حضرت مسیحؑ ابن مریم کی تھی۔ دوسرے معنی کی رو سے یوز آسف کہتے ہیں اکٹھا کرنے والے کو اور جناب مسیحؑ کے زمانے میں آپؑ کے سوائے اور کوئی شخص نہیں تھا جس نے طویل ترین سفر کر کے روئے زمین پر منتشر بنی اسرائیل کو ایک ہاتھ پر اکٹھا کیا ہو اور تسبیح کے ان بکھرے ہوئے دانوں کو ایک لڑی میں پرو دیا ہو۔ پس فارسی اور ارامی دونوں معنی کی رو سے یوز آسف حضرت مسیحؑ ہی کا نام تھا۔

ان دو معنی کے علاوہ ایک معنی اور بھی ہیں جو بہت ہی فکر انگیز اور عقل و فہم سے قریب ترین ہیں۔ یعنی ایسا شخص جو رنجیدہ اور غمگین ہو' تفصیل اس کی یہ ہے کہ آسف' اسف سے بنا ہے' اسف کے معنی ہیں رنج' غم۔ اسی لفظ اسف سے افسوس بنا ہے پس آسف کے معنی ہوئے افسوس زدہ' غم زدہ' رنجیدہ۔ یوز دراصل یسوع کی تبدیل شدہ صورت ہے' جس طرح انگریزی دانوں نے یسوع کو "جیزز" (Jesus) سے تبدیل کر دیا یعنی یسوع انگریزی میں جا کر "جیزز" بن گیا اسی طرح اگر یسوع کو "یوز" بنا لیا گیا تو

یہ زیادہ قابل قبول اور اپنے اصل کے زیادہ قریب ہے۔ پس یوز یا یوز آصف دراصل یوز آسف تھا خواہ یہ تبدیلی خود حضرت مسیحؑ نے کی یا اس کے نام کے کثرت استعمال سے رونما ہوئی۔ بہرحال اتنی بات ثابت ہو گئی کہ کشمیر کے شہر سری نگر میں یوز آسف یا یوز آصف نبی کے نام سے جس پیغمبر کی قبر ہے اس کا نام یسوع تھا' آسف کا اضافہ اس لئے ہوا کہ وہ رنجیدہ اور غم زدہ رہتا تھا۔ یعنی وہ یسوع جو غم زدہ اور دل گرفتہ ہو کر اپنے وطن سے نکلا چونکہ حضرت مسیحؑ نے اپنی قوم کے ہاتھوں بہت دکھ اٹھائے تھے اور سخت رنجیدہ ہو کر فلسطین سے نکلے تھے پس آپؑ نے اپنے لئے یہ نام تجویز فرمایا۔ اس میں ایک مصلحت بھی تھی چنانچہ یوز آسف نام کا پس منظر بیان کرتے ہوئے بعض مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت مسیحؑ کو نصیبین نامی شہر میں جب مخالفت کا سامنا کرنا پڑا تو آپؑ نے احتیاطی تدبیر کے طور پر یہ نام اختیار کیا اور اسی نام سے باقی سفر طے کیا اور پھر یسوع اور یوز آسف ایک ہی شخصیت کے دو نام ہو گئے اور یہ نام (یوز آسف یا یوز) اتنی شہرت پکڑ گیا کہ ہندوستان کے مغل بادشاہ اکبر اعظم کے دربار کا مشہور دانشور شاعر فیضی آپؑ کا ذکر اس طرح کرتا ہے کہ ؎

"اے کہ نامے تو یوز و کرستو۔" یعنی اے وہ شخص جس کے دو نام ہیں یوز اور کرستو (کرائسٹ) انگریزی ترجمے کے الفاظ یہ ہیں۔

Aiki Nami to: Yus, o Kristo (You Whose Name is Yuz or Christ.)

(Jesus Died In Kashmir By Faber Kaiser, P-80)

آج سے سینکڑوں سال قبل جب حضرت مسیحؑ کی حیات و وفات یا آپؑ کے صلیب سے زندہ یا مردہ اتر آنے کا کوئی قضیہ یا تنازعہ کھڑا نہیں ہوا تھا' اکبر اعظم کے دربار کے جید عالم اور دانشور فیضی کو یہ لکھنے کی کیا ضرورت تھی کہ "اے مسیحؑ ابن مریم تو دو ناموں سے مشہور اور موسوم ہوا ایک یوز آسف اور دوسرا کرستو (کرائسٹ)" اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مغل بادشاہ جلال الدین اکبر کے عہد میں بھی حضرت مسیحؑ کا نام یوز آسف مشہور ہو چکا تھا جو یسوع کی ایک تبدیل شدہ صورت ہے۔

مغرب کے ایک فاضل محقق مسٹر فابر قیصر نے جس کی کتاب کا میں نے ابھی حوالہ دیا

ہے حال ہی میں یوز آسف پر گہری تحقیق کی ہے وہ بھی اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یوز آسف، یسوع اور مسیحؑ ایک ہی شخصیت کے نام ہیں اس فاضل محقق نے کشمیر کے بہت بڑے مورخ اور عالم ملا نادریؒ کی معلومات پر اپنی تحقیق کی بنیاد رکھی ہے ملا نادریؒ کے مطابق :-

"یوز آسف دراصل یسوع تھا جو قبائل بنی اسرائیل سے تعلق رکھتا تھا اور نبی ہونے کا دعویٰ کرتا تھا بادشاہ گوپندا کے دور میں وہ کشمیر آیا۔ اس بادشاہ کے دور حکومت میں بہت سے مندر تعمیر کئے گئے اور بہت سے مندروں کی مرمت کی گئی۔ اس کی حدود سلطنت (کشمیر) میں ایک پہاڑی پر تخت سلیمان نامی ایک عمارت واقع تھی جو شکستہ ہو گئی تھی بادشاہ گوپندا نے اس کی مرمت کے لئے ایران سے ایک (اسرائیلی انجینئر) بلوایا جس کا نام بھی سلیمان تھا اس پر بادشاہ کی ہندو رعایا نے اعتراض کیا کہ سلیمان ہندو نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق کسی اور مذہب سے ہے اس لئے اس سے عمارت کی مرمت نہ کروائی جائے" آگے چل کر ملا نادری لکھتے ہیں کہ اس دوران دور کے ملک (فلسطین) سے ایک شخص یوز آسف کشمیر آئے اور یہاں اپنی نبوت کی تبلیغ کرنے لگے وہ بہت پاکباز اور خدا رسیدہ انسان تھے رات دن خدا کی عبادت میں گذارتے تھے اور بندگان خدا کو خداوند کریم کے احکام کی پیروی کرنے کی تعلیم دیتے تھے ان کی تعلیم کے نتیجے میں بہت سے لوگ ان کے پیروکار بن گئے اس دوران سلیمان نامی (ایرانی انجینئر) نے تخت سلیمان کی مرمت کی اور اس پر مندرجہ ذیل عبارت کندہ کروا دی۔

"ان ستونوں کے معمار بہشتی زرگر اور خواجہ رکن ابن مرجان ہیں۔ سال تعمیر ۵۴ھ۔

ساتھ ہی یہ عبارت بھی کندہ کروائی :-

"یوز آسف نے نبوت کا دعویٰ کیا ۵۴ھ میں جو یسوع ہے اور اسرائیلی قبائل سے تعلق رکھتا ہے

(تاریخ کشمیر صفحہ ۳۵ مولفہ مولانا نادری بحوالہ Jesus Died in Kashmir P-86'87)

یہ عبارت بادشاہ جہانگیر کے عہد حکومت تک عمارت پر درج تھی اور مورخ کشمیر خواجہ حیدر ملک نے خود پڑھ کر یہ عبارت اپنی کتاب میں درج کی تھی۔

(Jesus Died in Kashmir P-87)

آگے بڑھنے سے قبل ایک بار پھر میں ملا نادری کی شہادت پیش کرنا چاہوں گا ملا نادریؒ کشمیر کے بہت فاضل مورخ تھے۔ ان کا لقب "ملا" اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ ایک دین دار اور صاحب کردار عالم تھے کیونکہ اس زمانے میں "ملا" انتہائی محترم لقب تھا جو شاذ ہی کسی کو ملتا تھا۔ کشمیر میں آج تک "ملا" نام کی ایک قوم آباد ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قوم کے مورث اعلیٰ کو یہ خطاب دیا گیا ہو گا جو اس نے عزت کے طور پر اپنی قومیت میں تبدیل کر لیا۔ ملا نادری نے اپنی مشہور و معروف کتاب "تاریخ کشمیر" ۱۴۱۳ھ میں لکھی تھی یہ کشمیر کی اولین فارسی تاریخ ہے۔ ملا نادری لکھتے ہیں کہ :-

"میں نے ہندوؤں کی ایک کتاب میں (بھی) پڑھا ہے کہ یہ نبی (یوز آسف) دراصل حضرت عیسیٰ روح اللہ تھے جنہوں نے یوز آسف کا نام اختیار کیا تھا۔ اصل حقیقت تو خدا تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ انہوں (حضرت عیسیٰؑ) نے بقیہ ساری زندگی وادی ہی میں گزار دی" (یعنی یہیں فوت ہوئے) ("Jesus in Rome" and Jesus Lived in India, P-199)

گویا ہندو، مسلمان اور عیسائی تینوں مذاہب کے جدید و قدیم مورخ اس امر پر متفق ہیں کہ یوز آسف ہی یسوع (مسیحؑ) تھے جو دور دراز ملک سے کشمیر آئے تھے اور بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔

مسیحؑ کی ہندی انجیل

ہندوستان کے دوران قیام حضرت مسیحؑ نے اپنی قوم کے لوگوں کو جو تعلیم دی تھی اس کے چند اقتباس گذشتہ باب میں پیش کئے جا چکے ہیں۔ اس باب میں حضرت مسیحؑ کی یہ تعلیمات مکمل صورت میں پیش کی جا رہی ہے۔ اس طرح "مسیحؑ کی ہندی انجیل" دنیا کی واحد کتاب ہے جس میں تاریخ انبیا کے اس جلیل القدر پیغمبر کی وہ ساری تعلیم (امکانی حد تک) تشریحات کے ساتھ یک جا کر دی گئی ہے جو آپؑ پر ہندوستان کے دوران قیام نازل ہوئی تھی (الحمد للہ)

ایک سال کی بادشاہت

ایک تمثیل سنو! کسی ملک کے باشندوں کا معمول تھا کہ وہ کسی ایسے اجنبی شخص کو اپنا بادشاہ بنا لیتے جو ان کی عادات اور طور طریقوں سے ناواقف ہوتا تھا۔ وہ ایک سال اسے حکمران رکھتے، حکمران اپنی ناواقفیت کی وجہ سے یہ سمجھتا تھا کہ میں اس ملک اور اس کے باشندوں پر ہمیشہ حکومت کروں گا مگر جب ایک سال پورا ہو جاتا اور وہ بادشاہ عیش و عشرت میں مشغول و مصروف ہوتا تو یہ لوگ محل میں چند آدمیوں کو بھیجتے جو اسے پکڑ کر اس کا شاہی لباس اتار لیتے بلکہ مادر زاد ننگا کر کے اسے اپنے ملک کی حدود سے باہر نکال دیتے۔ یہ بیچارہ افلاس و بدحالی اور ذلت و خواری کے عذاب میں مبتلا ہو جاتا حالانکہ اس سے قبل کبھی اس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ آتی تھی کہ ایک سال گزرتے ہی اس کی رعایا ہی اسے حکومت و اقتدار سے محروم کر کے اس ذلت و خواری کے ساتھ ملک سے نکال دے گی۔ اس طرح اس کی حکومت ہی اس کے لئے وبال جان بن جاتی اور اس کی رسوائی کا باعث ہوتی۔

ایک مرتبہ کیا ہوا؟ کہ اس ملک کے لوگوں نے ایک شخص کو اپنا بادشاہ بنایا۔ یہ بہت دانشمند، صاحب حیا، عاقبت اندیش اور صاحب حکمت شخص تھا۔ دنیا اور اس کے حالات و معاملات سے اچھی طرح واقف تھا۔ جب اس شخص نے اس نئی مملکت اور اپنی حالت کا جائزہ لیا تو محسوس کیا کہ وہ اس نئے ملک اور اپنی نئی رعایا میں بالکل اجنبی ہے۔ یہ سوچ کر وہ ان سے زیادہ مانوس نہیں ہوا اور بہت حد تک الگ تھلگ رہنے لگا۔ اسے ہر وقت ایک ہی فکر رہتی کہ انہی لوگوں میں سے کوئی ایسا باخبر اور بااعتماد شخص مل جائے جو اسے اس

ملک کے لوگوں کی عادات و اطوار اور طور طریقوں سے آگاہ کرے اور ملک کے حالات کی خبر دیتا رہے۔ آخر اسے ایک شخص مل ہی گیا جو بہت بااعتماد ثابت ہوا۔ اس نئے بادشاہ نے اس سے اس ملک کے لوگوں کے حالات دریافت کئے۔ اس نے ازراہ خیر خواہی سارے حالات بتا دیئے اور یہ راز بھی افشا کر دیا کہ آپ کی بادشاہت کی مدت بہت مختصر رہ گئی ہے کیونکہ یہاں کے لوگ ایک سال کے بعد پہلے بادشاہ کو بے سروسامان کر کے ملک سے نکال دیتے ہیں اس لئے جو مال و دولت اس وقت آپ کے قبضہ و تصرف میں ہے حتی المقدور اس کو اپنے قبضے میں رکھئے اور ایسی جگہ پہنچاتے رہئے جہاں آپ کو یہاں سے نکل کر قیام کرنا ہے۔ اس تدبیر سے آپ کو یہ بہت بڑا فائدہ ہو گا کہ حکومت و اقتدار سے محروم ہونے کے بعد بھی اس دور اندیشی کی بدولت آپ کی زندگی فراخی اور آسودگی سے بسر ہو گی۔
ایک سال کے اس بادشاہ نے اپنے باخبر اور ہمدرد مشیر کی خیرخواہی کی قدر کی اور اس کے مشورے پر عمل کیا اس طرح اس ملک سے نکلنے اور حکومت و اقتدار سے محروم ہونے کے باوجود بھی اس کی زندگی اطمینان و سکون اور خوشحالی سے بسر ہونے لگی۔

(کتاب یوز آسف و بلوہر صفحہ نمبر ۳۹ تا صفحہ ۴۰)

تشریح:۔ اس تمثیل کے ذریعے حضرت مسیحؑ ہمیں بتاتے ہیں کہ جس طرح وہ بادشاہ صرف ایک سال حکومت کرنے کے بعد اپنی ہی رعایا کے ہاتھوں بے لباس کر کے ملک بدر کر دیا جاتا تھا اسی طرح اس دنیا کی حکومت و اقتدار بھی عارضی ہے' یہاں کا عیش و آرام بھی عارضی ہے اور ایک دن ہمیں بھی بے لباس کر کے اس دار فانی سے نکال دیا جائے گا۔ جس طرح وہ بادشاہ نہیں جانتا تھا کہ اسے کب نکال دیا جائے گا اور کب اچانک زوال کے پیادے اس کے سر پر آموجود ہوں گے' اسی طرح ہم بھی نہیں جانتے کہ ہماری موت کا نقارہ کب بج اٹھے گا۔ جس طرح عاقل بادشاہ اپنے ہمدرد و بہی خواہ مشیر کے مشورے پر عمل کر کے اپنا مال و منال اس مکان میں جمع کرتا رہا جہاں اس عارضی حکومت کے بعد اسے جانا تھا اسی طرح عقلمند لوگ جنہیں عاقبت کی فکر ہوتی ہے اپنا مال و دولت اس طرح خرچ کرتے ہیں جو ان کی آخرت کے گھر میں جمع ہوتا رہے اور ان کی اصل اور دائمی زندگی

شادمانی سے بسر ہو۔ (مرتب)

حال مست فقیروں کا جوڑا

کسی زمانے میں ایک بادشاہ گزرا ہے جو تھا تو بت پرست' اس کی ساری حرکتیں گمراہی اور نادانی کی تھیں' بتوں کو سجدے کرنا اور مندروں میں چڑھاوے چڑھانا اس کا محبوب اور پسندیدہ شغل تھا مگر اس کے باوجود وہ دل کا حلیم' بہت نرم خو اور رعایا کی صلاح و فلاح میں ہمہ وقت مصروف رہتا۔ اس کا وزیر اس کے برعکس بت پرستی سے نفرت کرتا اور خدائے واحد کا پرستار تھا اس کے باوجود بادشاہ کا وفادار اور دل سے اس کا خیر طلب تھا۔ ہروقت اس فکر میں رہتا کہ کسی نہ کسی طرح بادشاہ کو اس مذہبی گمراہی سے نجات دلا کر خدائے واحد کا پرستار بنا دے مگر اس کی سطوت و جبروت کی وجہ سے کچھ نہ کہتا بلکہ مصلحت کے تحت اس کے سامنے خود بھی بتوں کے آگے جھکتا اور ان پر چڑھاوے چڑھاتا۔ وزیر کے اس طرز عمل سے بادشاہ اس کا بہت قدردان ہو گیا اور اس سے اتنی محبت کرنے لگا جتنی کوئی شخص اپنے اس بیٹے سے کرتا ہے جو بہت منتوں اور مرادوں کے بعد پیدا ہوا ہو۔ وہ اسے اپنی آنکھوں کا تارا اور ساری خدائی سے بڑھ کر پیارا سمجھتا تھا۔ اس سے کوئی بات نہ چھپاتا اور ہر اہم معاملے میں اس کی رائے لیتا اور اس کے مطابق عمل کرتا۔

یہ وزیر بہت علم دوست تھا۔ زندگی کا بہت بڑا حصہ حکیموں' داناؤں اور عالموں میں گزارا تھا اس لئے علم و معرفت کا رموز آشنا ہو چکا تھا۔ بادشاہ کی گمراہی اس پر بہت شاق گزرتی تھی اور دل میں کہتا کہ اس پر شیطان مسلط ہو گئے ہیں۔ جب کبھی خیال آتا کہ اسے گمراہی سے روکے تو سوچتا کہ اگر اس کی نفسانیت اس پر غالب آ گئی تو سارا کھیل بگڑ جائے گا۔ اپنے ہم مشرب لوگوں سے مشورہ کرتا کہ بادشاہ کی دنیا اور عاقبت کو تباہ ہونے سے بچانے کے لئے کیا کیا جائے؟ دوست کہتے کہ تم اس کے مزاج سے ہماری بہ نسبت زیادہ واقف ہو اگر تم دیکھو کہ اس میں نیکی اور دین داری کی باتیں قبول کرنے کی صلاحیت ہے تو اسے راہ راست پر لانے کی ضرور کوشش کرو' اسے اس کی غلط روی پر آگاہ کرو لیکن اگر

اس میں یہ صلاحیت نہ پاؤ تو اس کے سامنے ایسی باتوں کا نام بھی نہ لو ورنہ وہ تمہارا اور
تمہارے دین و مذہب کا بلکہ سارے سچے دین داروں کا دشمن ہو جائے گا کیونکہ مشہور ہے
کہ کسی کو بھی بادشاہ سے بے خطر نہیں رہنا چاہئے۔ مختصر یہ کہ مدت دراز تک بادشاہ اور
وزیر دونوں اپنی اپنی حالت پر رہے۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ بادشاہ نے جو اس عارضی گمراہی کے باوجود اپنی رعایا کا بہت خیر
طلب تھا وزیر سے کہا کہ آج آدھی رات کے قریب اٹھ کر شہر کا چکر لگائیں اور دیکھیں کہ
لوگ کس حال میں ہیں اور چند روز قبل جو موسلا دھار بارش ہوئی ہے اس کا کیا اثر ہوا
ہے؟ چنانچہ رات کے وقت جب ساری دنیا نیند کی آغوش میں آرام پا رہی تھی، بادشاہ اور
وزیر دونوں گھوڑوں پر سوار ہوئے اور شہر اور اہل شہر کا حال دریافت کرنے کی غرض سے
نکل کھڑے ہوئے۔ دونوں شہر کے اطراف میں گشت لگا رہے تھے کہ جاتے جاتے ان کا
گذر ایک ایسی جگہ سے ہوا جہاں اہل شہر اپنے گھروں کا کوڑا کرکٹ پھینکتے تھے اور وہاں
کوڑے کا ایک ٹیلہ سا بن گیا تھا۔ کوڑے کے اس انبار کے قریب ایک جانب روشنی نظر
آئی۔ روشنی دیکھ کر بادشاہ نے وزیر سے کہا کہ اس روشنی میں ضرور کوئی بھید ہے آؤ
گھوڑوں سے اتر کر پاپیادہ چلیں اور نزدیک جا کر دیکھیں کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ چنانچہ دونوں
گھوڑوں سے اتر کر پیدل ہو لئے اور جب اس مقام پر پہنچے جہاں سے روشنی آ رہی تھی تو
انہیں ایک غار نظر آیا جو پہاڑ کی کھوہ کے مشابہہ تھا مگر پہاڑ کی کھوہ قدرتی ہوتی ہے جبکہ یہ
غار انسانی ہاتھوں سے کھود کر ایک سکونتی کمرے کے طور پر بنایا گیا تھا۔ دراصل یہ قیام گاہ
ایک حال مست فقیر کی تھی جو اپنی بی بی کے ہمراہ اس میں مقیم تھا۔

بادشاہ اور وزیر ابھی صورت حال کا جائزہ ہی لے رہے تھے کہ انہیں ستار کی آواز
سنائی دی۔ حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے دونوں ایسی جگہ بیٹھ گئے جہاں سے وہ غار میں
مقیم لوگوں کو دیکھ سکیں اور ان کی حرکات و سکنات کا مشاہدہ کر سکیں مگر غار والے انہیں نہ
دیکھ سکیں۔ اب جو انہوں نے دیکھا تو عجیب منظر نظر آیا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بدصورت
اور کریہہ المنظر فقیر کوڑے پر پڑے ہوئے پھٹے پرانے چیتھڑے پہنے خس و خاشاک کا تکیہ

لگائے بیٹھا ہے اور اس کے سامنے مٹی کا ایک برتن رکھا ہے جس میں پینے کی کوئی چیز ہے
اور ہاتھ میں طنبورہ (ستار) ہے جسے وہ بجا رہا ہے اور اس کی بی بی جو اسی کی طرح غلیظ
چیتھڑے بدن سے چپکائے ہوئے ہے اور بدصورت بھی اسی کی طرح ہے اس کے سامنے
کھڑی ہے۔ فقیر جب اشارے سے شراب طلب کرتا ہے تو وہ اسے جام بھر بھر کر دیتی ہے
اور جب طنبورہ بجاتا ہے تو مست ہو کر ناچتی ہے اور جب فقیر اس کے قریب آتا ہے تو
اپنے خاوند کی اس طرح تعظیم و تکریم کرتی ہے جیسے بادشاہوں کی تعظیم کی جاتی ہے۔ وہ مرد
بھی اپنی بدصورت بی بی کو تمام عورتوں کی سردار کہہ کر مخاطب کرتا ہے اور بی بی اپنے
بدصورت اور غلیظ چیتھڑوں میں لپٹے ہوئے شوہر کو مردانہ حسن کا پیکر اور سخاوت و شجاعت
میں بے نظیر کہہ کر پکارتی ہے۔ غرض دونوں ایک دوسرے کی تعریف و توصیف میں مگن
اور ایک دوسرے پر شیدا و فریفتہ ہیں۔ بادشاہ بہت دیر تک کھڑا یہ عجیب و غریب منظر دیکھتا
رہا اور حیران ہوتا رہا کہ یہ کس قسم کے لوگ ہیں۔ آخر بادشاہ اور وزیر کچھ دیر کے بعد
وہاں سے واپس ہوئے۔ راستے میں دونوں کے درمیان یوں گفتگو ہوئی:۔

بادشاہ:۔ میرا خیال ہے کہ مجھے اور تمہیں دونوں کو کبھی ایسی لذت و فرحت اور سرور
و انبساط نصیب نہیں ہوا ہو گا جو ان دونوں محتاجوں کو آج حاصل ہے جس کا ہم دونوں نے
مشاہدہ کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ دونوں ہر روز اسی طرح مزے کیا کرتے ہوں گے۔
وزیر نے موقع غنیمت سمجھتے ہوئے اپنی بات شروع کی جو وہ مدتوں سے دل میں چھپائے
ہوئے تھا۔

وزیر:۔ بادشاہ سلامت! مجھے یہ خیال گزرتا ہے کہ کہیں ہم بھی اسی حالت میں نہ ہوں
جس حالت میں یہ دونوں غلیظ اور بدصورت فقیر ہیں اور جس طرح یہ دونوں اپنی خراب
حالت کو ساری دنیا کی حالت سے بہتر اور خوب تر سمجھتے ہیں، کہیں ہم بھی اپنی حالت کو
باوجود خراب ہونے کے خوبصورت اور خود کو عالی منزلت نہ سمجھتے ہوں۔

بادشاہ:۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

وزیر:- مجھے خطرہ ہے اور یہ گمان گزرتا ہے کہ جو لوگ **آسمان کی دائمی بادشاہت** سے واقف ہیں وہ کہیں ہماری بادشاہت و سلطنت کو انہی آنکھوں سے نہ دیکھتے ہوں جن آنکھوں سے ہم نے کوڑے کرکٹ کے اس انبار اور اس کے قریب آباد غلیظ و بدصورت فقیروں کو دیکھا ہے اور جو لوگ **آسمانی مکانوں** میں رہنے کی امید رکھتے ہیں وہ ہمارے عالی شان محلات کو ویسا ہی نہ سمجھتے ہوں جیسا ہم نے اس غار کو تصور کیا ہے۔ جو لوگ صاف ستھرا رہتے اور خوبصورتی و تندرستی کی حقیقت کو جانتے ہیں وہ ہمارے جسموں کو اس بدصورت اور گندے فقیر کے جسم جیسا نہ سمجھتے ہوں۔ بادشاہ سلامت! **آسمانی بادشاہت** سے آگاہی رکھنے والوں کو شاید ہم پر بھی ویسی ہی حیرت نہ ہوتی ہو جیسی حیرت ہمیں ان فقیروں کی حالت پر ہے۔

بادشاہ:- ایسے لوگ کون ہیں اور **آسمان کی دائمی بادشاہت** کیا چیز ہے؟

وزیر:- یہ دین دار لوگ ہیں جو دائمی سلطنت اور حکمت کا پتہ دیتے ہیں۔

بادشاہ:- کس نوعیت کا پتہ دیتے ہیں۔

وزیر:- وہ کہتے ہیں کہ **آسمان کی دائمی بادشاہت** میں ایسی فرحت و مسرت ہے کہ اس کے ساتھ رنج و غم کا نام نہیں اور اس میں ایسی خوش حالی ہے جس میں بدحالی نہیں اور اس میں ایسی محبت ہے کہ اس کے ساتھ عداوت نہیں اور اس بادشاہت میں وہ خوشنودی ہے جس کے ساتھ ناراضی نہیں اور اس میں ایسا چین ہے کہ اس کے ساتھ خوف کا شائبہ تک نہیں اور اس میں ایسا حسن اور خوبصورتی ہے کہ اس کے ساتھ بدصورتی کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا اور **اس سلطنت و دائمی بادشاہت** میں تندرستی ایسی ہے کہ بیماری اس کے قریب سے بھی نہیں گزر سکتی اور اس میں زندگی ایسی ہے جس میں موت کا گزر ممکن ہی نہیں اور اس (آسمانی بادشاہت) میں خوشبو ایسی ہے کہ بدبو کو اس میں دخل نہیں اور یہ ایسا ملک ہے جو کبھی قبضے سے نہ نکلے اور مکان ایسا کہ جس پر کبھی زوال کا سایہ نہ پڑے۔

بادشاہ:- کیا ان لوگوں نے اس مکان میں داخل ہونے کا کوئی راستہ بھی دریافت کیا ہے؟

وزیر:- جہاں پناہ! انہیں یقین ہے کہ جو شخص اس کی جستجو کرے گا، اسے ضرور ملے گا۔

بادشاہ:- پھر تم نے آج تک مجھ سے اس کا ذکر کیوں نہیں کیا؟

وزیر:- جہاں پناہ! بات یہ ہے کہ آپ سے مجھے جو تعلق خاطر ہے اس کا خیال کر کے تو میں آپ سے اس کا ذکر کرنا چاہتا تھا مگر (گستاخی معاف اور جان کی امان پاؤں تو عرض کروں کہ) حضور والا کے سر میں بادشاہی کا جو غرور سمایا ہوا ہے اس کی وجہ سے رک جاتا تھا کیونکہ سلطنت کا نشہ ایسی باتوں سے آدمی کو بہرا اور اندھا کر دیتا ہے اور حکمران کے دل میں جو بات بس جاتی ہے وہ اسے کچھ اور سوچنے کے قابل ہی نہیں چھوڑتی۔ دوسرے مجھے مزاج عالی کی برہمی کا بھی اندیشہ تھا جو امور مملکت کے ناگوار معاملات میں مشغول رہنے کی وجہ سے بادشاہوں میں پیدا ہو جاتی ہے اور اکثر اوقات تدبیر و تقدیر کے درمیان حائل ہو جایا کرتی ہے۔ کچھ یہ بھی ہے کہ حکمرانوں کے کان بہت سی باتیں اور ہزاروں لاکھوں حاجت مندوں کی حاجتیں سنتے سنتے ایسے بھر جاتے ہیں کہ ان میں دین کی باتیں جگہ نہیں پاتیں البتہ آج میں نے آپ کو دنیا کے انہماک اور مزاج کی برہمی سے پاک و صاف پایا تو محسوس کیا کہ آج آپ یہ باتیں سن لیں گے۔

دانا اور صاحب تدبیر وزیر کی باتیں بادشاہ کو اس قدر خوش آئیں کہ اس نے وزیر کو ہدایت کر دی کہ جہاں تک ہو سکے اس کے سامنے آخرت ہی کی باتیں کیا کرے۔ اس طرح بادشاہ کا دل جھوٹے معبودوں کی عبادت سے بیزار ہو گیا اور وہ گمراہی سے نکل آیا۔

(صفحہ نمبر ۵۷ تا صفحہ نمبر ۶۳)

تشریح:- اس تمثیل میں حضرت مسیحؑ نے انسانی نفسیات کے ایک نکتے کو حل کیا ہے اور تبلیغ حق کا ایک زریں اصول سکھایا ہے۔ آپؑ نے بتایا ہے کہ جس طرح زمین میں بیج اسی وقت ڈالا جاتا ہے جب اس میں قبولیت کی صلاحیت موجود ہوتی ہے ورنہ بیج بھی ضائع

ہو جائے گا اور بیج ڈالنے والے کا وقت بھی، محنت بھی اور روپیہ بھی۔ اسی طرح حق کی
قبولیت کے لئے پہلے لوگوں کو نفسیاتی طور پر تیار کرو، جب دیکھو کہ وہ ذہنی طور پر اس کے
لئے آمادہ ہیں تو انہیں حق و راستی کی طرف متوجہ کرو اس طرح کامیابی یقینی ہے۔

اس تمثیل میں دوسرا نکتہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ دین کی طرف دعوت دینے کے لئے
احسن اور حکیمانہ طریقہ اختیار کرو، ڈنڈا لے کر پیچھے نہ پڑ جاؤ ورنہ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ
جسے دعوت حق دے رہے ہو وہ حق و راستی سے اور بھی برگشتہ ہو جائے گا۔ چھ سو سال
کے بعد قرآن حکیم نے اسی حقیقت کو "بالحکمہ والموعظہ الحسنہ" کے الفاظ میں
بیان فرمایا یعنی لوگوں کو حکیمانہ، دانشمندانہ اور احسن طریقے سے تبلیغ کرو۔ پس اس سے
ثابت ہوتا ہے کہ یہ تمثیل خدا کے کسی نبی نے بیان کی تھی اور وہ حضرت مسیحؑ ہی تھے۔

اس تمثیل میں تیسرا غور طلب نکتہ یہ ہے کہ اس میں ایک سے زیادہ بار (پانچ مرتبہ)
"آسمانی بادشاہت" کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ وہ اصطلاح ہے جو حضرت مسیحؑ فلسطین کے
دوران قیام استعمال فرمایا کرتے تھے جس سے انجیل مقدس بھری پڑی ہے پس اس سے بھی
صاف طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ یقیناً حضرت مسیحؑ ہندوستان تشریف لائے تھے اور یہ
تمثیل آپؑ ہی نے بیان فرمائی تھی۔ (مرتب)

راجہ اور راج کمار کی کہانی

(ایک تمثیل سنو!) ہندوستان کے ایک راجہ کے گھر بہت منتوں اور دعاؤں کے بعد
بیٹا پیدا ہوا۔ نجومیوں اور جوتشیوں نے اس کا زائچہ بنایا اور راجہ کو بتایا کہ مہاراج! یہ
لڑکا بہت بختوں والا ہو گا۔ حسن و جمال میں لاثانی، علم و فضل میں یکتا، ذہانت و فراست میں
بے نظیر، یہ راج کنور ایسا عالی منش اور عالی مرتبہ ہو گا کہ سارے ہندوستان میں اس پائے کا
راجہ نہیں ہوا ہو گا۔ اس بات میں تو سب نجومی یک زبان تھے مگر ان میں سے ایک نجومی
جو سن رسیدہ اور علم نجوم کی ساری باریکیوں سے آگاہ اور اس علم کا ماہر تھا راج کنور کی
صفات بیان کر کے بولا کہ جو بزرگی اور مرتبے کی بلندی اس کے نصیبوں میں ہے میرے

خیال میں وہ دنیاوی ہرگز نہیں بلکہ اخروی ہے اور کچھ شبہ نہیں کہ بڑا ہو کر یہ لڑکا دین و
مذہب کا پیشوا ثابت ہو گا اور آخرت کی سربلندیوں سے بھی سرفراز ہو گا۔

بوڑھے نجومی کی یہ بات راجہ کے دل میں نشتر کی طرح چبھی اور جو مسرت اس بچے
کے پیدا ہونے کی وجہ سے اسے حاصل ہوئی تھی وہ رنج و ملال سے بدل گئی۔ پس وہ ایسی
تدبیریں سوچنے لگا جن سے راج کمار آخرت کی فکر میں ڈوب جانے کی بجائے دنیا اور اس
کی دلچسپیوں کی طرف مائل ہو جائے اور ولی عہد بن کر راجہ کے بعد سلطنت کی ذمہ
داریاں سنبھال سکے اور امور مملکت پوری قابلیت اور جرات و بہادری سے سرانجام دے
سکے۔ آخرکار سوچ بچار کے بعد اس نے حکم دیا کہ ایک پورا شہر اس کے باشندوں سے خالی
کرا لیا جائے۔ اس شہر میں ایک عالی شان محل تیار کرایا جائے جس میں راج کمار کو رکھا
جائے۔ قابل دایائیں، کھلائیاں اور لائق اعتماد محافظ اس محل میں متعین کئے جائیں۔ ان
سب کو تاکید کر دی جائے کہ موت، دکھ، رنج، بیماری اور مصیبت وغیرہ کا لفظ بھی کوئی شخص
شہزادے (راج کمار) کے سامنے زبان پر نہ لائے، نہ مذہب، آخرت اور فنا و زوال کا اس
کے سامنے ذکر کیا جائے۔ اگر کسی شخص کو کوئی بیماری لاحق ہو جائے تو فی الفور اسے اس شہر
سے نکال دیا جائے۔

وقت گزرتا رہا اور وقت کے ساتھ ساتھ راج کمار ہونہار پودے کی طرح بڑھتا رہا۔
عقل و جمال میں ستاروں کی طرح روشن اور فضل و کمال میں (آفتاب کی طرح) ممتاز
دکھائی دینے لگا البتہ کمی تھی تو اتنی کہ اسے جو تعلیم دی گئی تھی وہ صرف دنیا اور جہاں بانی و
جہاں گیری تک محدود تھی جس کی بادشاہوں کو ضرورت ہوتی ہے اس میں نہ موت کا ذکر
تھا، نہ دنیا کی بے ثباتی کا، نہ آخرت کا مگر اس شہزادے (راج کمار) کو ایسی خداداد ذہانت،
ایسی دانائی اور ایسا حافظہ ملا تھا کہ دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی تھی۔ خود اس کا باپ (راجہ)
سخت ذہنی کشمکش میں مبتلا تھا، اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ راج کمار کی ان خوبیوں پر
خوشیاں منائے یا غم کرے کیونکہ اسے فکر تھی کہ یہ باتیں کہیں اسے دین داری کی طرف
نہ کھینچ لے جائیں۔ لہذا اس نے حکم دیا کہ اس کے بیٹے کے علاوہ اس کے خادموں اور

محافظوں کو بھی شہر سے باہر نہ نکلنے دیا جائے تاکہ حالات کی تحقیق و تفتیش کی طرف اس کا ذہن منتقل نہ ہو جائے۔

کچھ مدت کے بعد جب شہزادہ (راج کمار) سن بلوغت کو پہنچ گیا تو اس نے محسوس کیا کہ ان لوگوں نے مجھے شہر میں قید کر رکھا ہے تاکہ میں دنیا کے حالات و واقعات سے آگاہ نہ ہو جاؤں۔ اس کے دل میں شکوک اپنا گھر بنانے لگے اس نے ارادہ کیا کہ اب کی بار جب اپنے باپ سے ملوں گا تو اس سے اس بارے میں گفتگو کروں گا اور پوچھوں گا کہ اس نے مجھے اس شہر میں کیوں نظربند کر رکھا ہے۔ آخر ایک روز جب راج کمار کا باپ اس سے ملنے کے لئے آیا تو اس نے باپ سے عرض کیا کہ مہاراج! اے میرے شفیق باپ! اگرچہ میں نے آپ کا بچپن تو نہیں دیکھا مگر اپنا بچپن اور بچپن سے گزر کر موجودہ حالت تک پہنچنا تو دیکھا ہے۔ بچپن سے لے کر موجودہ حالت تک کی جو باتیں میرے حافظے میں محفوظ ہیں جب ان پر غور کرتا ہوں تو مجھے یقین ہو جاتا ہے کہ جب سے آپ نے اس دنیا میں قدم رکھا ہے اس وقت سے لے کر آج تک آپ کبھی ایک حالت پر نہیں رہے اور نہ آئندہ ایک حالت پر قائم رہیں گے۔ مجھے اس شہر میں نظربند رکھ کر اگر آپ نے یہ چاہا کہ انسانی زندگی کے تغیر و نقصان کو مجھ سے پوشیدہ رکھیں اور میں یہ نہ جاننے پاؤں کہ دنیا میں پیدا ہونے والے نفوس ایک دن دنیا سے گزر بھی جاتے ہیں----- تو میرے پدرِ بزرگوار! یہ باتیں مجھ سے پوشیدہ نہیں رہیں اور میں سب کچھ جان چکا ہوں۔ اگر آپ نے مجھے یہاں سے باہر نکلنے اور لوگوں سے ملنے سے اس لئے روکا ہے کہ اس وقت میں جس حال میں ہوں اس کے سوا اور کسی بات کا شوق میرے دل میں پیدا نہ ہو تو یقین جانئے کہ آپ نے جس بات سے مجھے روک رکھا ہے اسی کو معلوم کرنے کے لئے میرا دل اس قدر بے چین ہے کہ اس کے سوائے اور کسی چیز کی مجھے دھن ہی نہیں، اس لئے آپ مجھے اجازت دیں کہ اس مقام سے باہر نکل کر میں دنیا اور اس کے حال کا نظارہ کروں۔

راج کنور کی یہ باتیں سن کر راجہ کو یقین ہو گیا کہ وہ اپنے بیٹے سے جو باتیں پوشیدہ رکھنا چاہتا تھا اور جنہیں اس کے لئے ناپسند کرتا تھا وہ اسے معلوم ہو گئی ہیں اس لئے اب

اس کی روک ٹوک سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا بلکہ اس سے ان چیزوں کی خواہش اس کے دل میں اور زیادہ ہو گی پس اس نے راج کمار سے کہا کہ اے میرے پیارے بیٹے! میں نے دنیا اور اس کے حالات کو تجھ سے پوشیدہ رکھنے کی جو کوشش کی تھی اس کا مقصد تجھے دنیا کی آفتوں سے بچانا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ تیرے کانوں میں وہی باتیں پڑیں جو تجھے خوش آئیں جن سے تجھے سرور اور مسرت حاصل ہو لیکن اگر تیری خواہش اس کے خلاف ہے تو میں تیری خوشنودی کو ہر چیز پر مقدم رکھتا ہوں پس جا اور دنیا کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر۔

اس کے بعد راجہ نے شاہی سواری کا انتظام کیا، راج کمار کے خادموں اور خادماؤں کو بھی حکم دیا کہ وہ بھی اس کی سواری کے ساتھ جائیں۔ راجہ کے عہدیدار، سرداران فوج، اعیان سلطنت زرق برق لباس پہن کر اور آلات حرب سجا کر عجیب آن بان اور سج دھج سے باہر نکلے۔ راجہ نے حکم دے دیا کہ جن راستوں سے راج کمار کی سواری گزرے ان میں کوئی مکروہ اور قابل نفرت چیز نہ رہنے دی جائے، سارے راستوں میں انواع و اقسام کے پھول بچھائے جائیں، نغمہ و سرود کے آلات مہیا کئے جائیں، خوبصورت عورتیں اور نازک اندام رقاصائیں قدم قدم پر موجود رہیں۔ سب لوگ اپنے مکانوں کو اچھی طرح آراستہ کریں اور صاف ستھری پوشاکیں زیب تن کر کے سامنے آئیں۔ حکم کی تعمیل ہوئی۔ اس کے بعد شہزادہ (راج کمار) اکثر اپنے محل سے باہر شہر کی سیر کرنے نکلنے لگا۔ کچھ دن تک تو یہ حالت برقرار رہی مگر رفتہ رفتہ لوگ ان پابندیوں سے بیزار ہونے اور غفلت برتنے لگے۔

ایک دن کیا ہوا کہ راج کمار کی سواری گزر رہی تھی کہ پہریداروں کی غفلت سے دو بیمار فقیر ادھر آ نکلے۔ ان میں سے ایک کا سارا بدن کسی بیماری کی وجہ سے سوجا ہوا تھا، بدن کی جلد زرد ہو گئی تھی اور جسم بے رونق ہو جانے کی وجہ سے صورت ڈراؤنی ہو گئی تھی۔ دوسرا فقیر اندھا تھا اور ایک شخص اس کا ہاتھ پکڑے راستے سے گزار رہا تھا۔ راج کمار کے لئے یہ نظارہ بہت خوفناک تھا اور اس نے زندگی میں پہلی بار انسان کو اس عبرتناک حالت میں دیکھا تھا۔ وہ کانپ گیا، بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ آخر اس نے اپنی سواری کے

ساتھ ساتھ چلنے والے ایک شخص سے جو اس کا مصاحب تھا' دریافت کیا کہ ان کا یہ حال کیوں ہوا؟ اس نے جواب دیا کہ جس شخص کا بدن سوج گیا ہے اور جلد زرد پڑ گئی ہے اس کی یہ حالت اندرونی بیماری کے سبب سے ہے۔ دوسرا شخص جس کا ہاتھ پکڑ کر سڑک سے گزارا جا رہا ہے' یہ اندھا ہے اور اندھا پن دیکھنے کی صلاحیت جاتی رہنے کا نام ہے۔ اس کے بعد دونوں میں یہ سوال و جواب ہوئے۔

راج کمار:۔ کیا یہ بیماریاں اور لوگوں کو بھی ہوتی ہیں؟

مصاحب:۔ جی' راج کمار! کسی کو بھی ہو سکتی ہیں۔

راج کمار:۔ جس شخص کی بینائی جاتی رہے کیا وہ اسے واپس لانے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔

مصاحب:۔ نہیں راج کمار! ایسا ممکن نہیں۔

یہ سن کر راج کمار افسردہ و ملول ہو کر محل میں واپس آگیا اور اسی روز سے اسے اپنی ذات سے دلچسپی ختم ہو گئی' اسے اپنا وجود ناپسندیدہ محسوس ہونے لگا اور اپنے باپ کی سلطنت کو بھی حقارت کی نظر سے دیکھنے لگا۔ کچھ دن گزرنے کے بعد ایک روز راج کمار پھر سوار ہو کر نکلا۔ راستے میں ایک بوڑھا ملا جس کی کمر ضعف پیری کی وجہ سے دوہری ہو گئی تھی' بال سفید پڑ گئے تھے' رنگ سیاہ ہو گیا تھا اور سارا بدن جھریوں سے بھر گیا تھا۔ سب اعضائے جسم ڈھیلے پڑ گئے تھے۔ قدم اٹھانا دشوار تھا۔ یہ منظر دیکھ کر راج کمار سخت حیران ہوا اور ایک مصاحب سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟

مصاحب:۔ راج کمار یہ بڑھاپے کی تصویر ہے۔

راج کمار:۔ انسان کا یہ حال کتنی مدت میں ہو جاتا ہے؟

مصاحب:۔ سو برس میں۔

راج کمار:۔ اس کے بعد کیا ہوتا ہے؟

مصاحب:۔ راج کمار! اس کے بعد آدمی مر جاتا ہے۔

یہ سن کر راج کمار اپنے دل میں سوچنے لگا کہ اگر انسان کو سو برس کی بجائے منہ مانگی عمر مل جائے تو بھی ایک دن اسی حالت کو پہنچ جائے گا' اس کا وہی نقشہ ہو گا جو میں اس وقت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اور اس کے بعد آدمی موت ہی کی راہ دیکھا کرے گا۔ اس سوچ میں وہ ساری رات جاگتا رہا۔ خدا نے اسے زندہ دل بنایا تھا اس لئے وہ کسی چیز کو بھولتا نہ تھا' نہ اس سے غفلت برتتا تھا پس اس سبب سے غم و اندوہ نے اسے گھیر لیا اور دنیا اور اس کی خواہشوں سے اس کا دل بھر گیا۔

ایک طرف تو راج کمار کے حسن و جمال' عقل و کمال' فہم و فراست' زہد و پرہیز گاری اور دنیا سے نفرت و بیزاری کا شہرہ دور دراز تک پہنچ رہا تھا' دوسری طرف اس کا باپ اس کی طرف سے سخت فکر مند اور رنج و الم میں گرفتار تھا اور سوچتا تھا کہ اس کے بیٹے کو صرف ایسی باتوں سے راحت ملتی ہے جن میں آخرت کا ذکر ہوتا ہے۔ آخر اس نے اپنے بیٹے کی توجہ آخرت کی طرف سے ہٹانے کے لئے ایک تدبیر سوچی۔ اس نے حکم دیا کہ نہایت حسین اور پری چہرہ عورتیں محل میں لائی جائیں جو ہر وقت اس کے اردگرد رہیں اور زرق برق لباس اور موتیوں اور جواہرات سے مزین زیوروں سے اس کا دل لبھائیں۔ زہد شکن اداؤں اور دلفریب کرشموں سے اسے اپنی طرف متوجہ کریں' لحہ بہ لحہ اس سے چھیڑ چھاڑ اور ہنسی مذاق کریں تاکہ وہ ان میں سے کسی کو دل دے بیٹھے مگر راجہ کی یہ ساری کوششیں اکارت گئیں اور ان زہرہ جمال اور پری وش عورتوں میں سے کوئی عورت بھی اپنے تمام ناز و انداز کے باوجود راج کمار کو اپنی طرف متوجہ کرنے میں کامیاب نہ ہو سکی بلکہ اس نے کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔

جب یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی تو راجہ نے کاہنوں اور نجومیوں کو بلایا اور ان سے کہا کہ تم لوگ اپنے علم کے ذریعے راج کمار کی اندرونی کیفیت معلوم کرو۔ غور و فکر کرنے کے بعد ان میں سے ایک کاہن نے کہا کہ مہاراج! جب تک راج کمار اپنے ہاتھ سے کسی کا خون نہیں کرے گا اس وقت تک دنیا کی کسی چیز سے دل نہیں لگائے گا۔ یہ سن کر راجہ نے ایک بکری منگوائی اور چھری ہاتھ میں لے کر زنان خانے میں گیا' پھر راج کمار کو بلوایا۔

دونوں میں یوں گفتگو ہوئی۔

راجہ:۔ اے میرے بیٹے! میری خواہش ہے کہ تو اپنے والدین کے لئے یہ بکری ذبح کرے۔

راج کمار:۔ مہاراج! آپ کے نوکر چاکر کہاں چلے گئے یہ کام تو وہ بہت عمدگی سے کر سکتے ہیں' آپ مجھ سے یہ فرمائش کیوں کر رہے ہیں؟

راجہ:۔ اے میرے بیٹے! ہمارے معبودوں نے ہم پر یہ عنایت کی کہ ہمیں تجھ جیسا بیٹا دیا اس لئے ہماری آرزو ہے کہ تیرے ہاتھ کا ذبیحہ کھائیں۔

راج کمار:۔ مہاراج! مجھے اس کام سے معاف کریں' میں نرم دل واقع ہوا ہوں اور (خون بہانے سے) گھبراتا ہوں اس کے علاوہ گنہگار بھی ہوتا ہوں۔

راجہ:۔ اس فعل کا تم پر کوئی گناہ نہیں ہو گا اس کا گناہ ہم (راجہ اور رانی) اپنی گردنوں پر لئے لیتے ہیں تم سے اس کا مواخذہ نہیں کیا جائے گا۔

جب راج کمار کے والدین نے بہت اصرار کیا اور منت سماجت کی تو راج کمار نے کہا کہ اچھا جب آپ میرا گناہ اپنے ذمے لیتے ہیں تو میں صرف آپ کی خوشنودی کی خاطر اسے ذبح کئے دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے کرتے کے دامن کو سمیٹا' بکری کو زمین پر لٹایا' باپ سے کہا کہ آپ اس کا سر قابو میں رکھئے۔ ماں سے کہا کہ آپ اس کی ٹانگیں پکڑے رہئے اور پھر اپنا بایاں ہاتھ بکری کی گردن کے نیچے زمین پر رکھا اور دائیں ہاتھ میں چھری لے کر بکری کو ذبح کرنا چاہا مگر چھری اس کی ہتھیلی میں گھس گئی اور وہ درد کی شدت کی وجہ سے بیہوش ہو کر گر پڑا۔ یہ دیکھ کر باپ کی چیخیں نکل گئیں اور ماں منہ پیٹنے لگی۔ کچھ دیر کے بعد جب راج کمار کو ہوش آیا تو چھری اس کے ہاتھ میں سے نکالی گئی۔ اس کے بعد راج کمار سخت بے چینی کا اظہار کرتے ہوئے بولا

راج کمار:۔ ابا جان! میں تکلیف سے مرا جا رہا ہوں' میری اس تکلیف کو دور کر دیجئے۔

راجہ:۔ میرے پیارے بیٹے حوصلے سے کام لو' جلد اچھے ہو جاؤ گے اور تکلیف دور ہو

جائے گی۔

راج کمار:۔ آپ کے پاس بڑے قابل حکیم ہیں انہیں بلوائیے تاکہ وہ مجھے اچھا کر دیں۔

راجہ:۔ بیٹے! درد اپنے وقت پر جائے گا حکیم کچھ نہیں کر سکتے۔

راج کمار:۔ اچھا ابا جان! پھر اتنا تو کیجئے کہ میرا تھوڑا سا درد بٹا لیجئے۔

راجہ:۔ بیٹے! مجھ میں اس کی قدرت نہیں ورنہ میں ضرور تیرا درد بٹا لیتا۔

یہ سن کر راج کمار ہنسا اور کہنے لگا کہ اے پدر بزرگوار! اتنی بڑی سلطنت کے مالک اور صاحب حکم و اقتدار ہونے کے باوجود جب آپ کی بے بسی کا یہ عالم ہے تو آپ نے یہ کہہ کر مجھے دھوکے میں کیوں رکھا کہ اس بکری کے ذبح کرنے کا وبال آپ اپنی گردن پر لے لیں گے۔ وقت کے حاکم ہوتے ہوئے آپ کی عاجزی اور کمزوری کا یہ حال ہے کہ چھری کے زخم سے مجھے اچھا نہیں کر سکتے تو قیامت کے دن جہنم کی دہکتی اور شعلے مارتی ہوئی آگ سے مجھے کس طرح بچائیں گے جبکہ اس وقت آپ بالکل تنہا اور بے بس ہوں گے۔ آپ کا ملک دوسروں کے قبضے میں جا چکا ہو گا' وہاں آپ کا کوئی حکم نہیں چلے گا' آپ کی فوج منتشر ہو چکی ہو گی۔ نہ جنگ پر قدرت ہو گی نہ خزانہ پر دسترس' کسی کو بلائیں گے تو وہ جواب تک نہیں دے گا' اگر فریاد کریں گے تو کوئی فریاد نہیں سنے گا۔ وہاں تو ہر شخص خود اپنے اعمال کے سوگ میں گرفتار ہو گا۔ دنیا کی ساری لذتیں اور نعمتیں مل کر بھی آخرت کی اس آگ کا مداوا نہیں کر سکیں گی جو گناہ گاروں کے لئے تیار ہے۔ (صفحہ ۱۳ تا صفحہ ۲۸)

تشریح:۔ اس حکایت میں راجہ کو دراصل یہود کے تمثیلی کردار کے طور پر پیش کیا گیا ہے جو یہودیوں کی سرشت کی نمائندگی کر رہا ہے اور راج کمار سے مراد خود حضرت مسیح ہیں جو سخت ترین ابتلاؤں میں بھی ثابت قدم رہے اور زہرہ جمال نازنینوں کی معشوقانہ اداؤں کا شکار ہونے سے حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح خود کو محفوظ رکھا۔ اس تمثیل

میں راج کمار نے حکومت و اقتدار کا پوری طرح مالک ہونے کے باوجود انسان کی بے بسی کی جو تصویر کھینچی ہے اور پھر روز قیامت کا جو دل گداز نقشہ پیش کیا ہے وہ باآواز بلند اعلان کر رہا ہے کہ یہ تمثیل کوئی ہندو یا بدھ کردار بیان نہیں کر سکتا بلکہ خدا کا کوئی نبی ہی بیان کر سکتا ہے جو حضرت مسیحؑ کے سوائے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ (مرتب)

تین رفیق

(ایک اور) تمثیل سنو! ایک شخص کے تین رفیق تھے ان میں سے ایک کو وہ سب سے زیادہ عزیز رکھتا تھا، حتیٰ کہ اس کی ہر خواہش کو اپنی ذات پر مقدم رکھتا تھا، بس اسی کا ہو رہا تھا، اس کی وجہ سے اپنی جان کو خطرات میں ڈال دیتا مگر پھر بھی اس سے سیر نہ ہوتا غرض اس کے لئے مال و دولت خرچ کرنے حتیٰ کہ جان تک قربان کرنے میں دریغ نہ کرتا۔

اس کے دوسرے رفیق کا مرتبہ اس کی نظر میں پہلے سے کم تھا وہ اسے بھی عزیز رکھتا تھا، اس کی بھی خاطر و مدارات کرتا، اسے بھی اپنا قرب عطا کرتا، اس پر بھی لطف و کرم کی نظر رکھتا، ہمہ وقت اس کی خدمت کے لئے تیار رہتا، اس پر بھی مال و دولت خرچ کرتا، اپنی ساری کوششیں اس کی خوشنودی کے لئے وقف کر رکھی تھیں، اس کی رضاجوئی کو اپنا مقصد حیات بنا لیا تھا، یہاں تک کہ اس سے بڑھ کر کوئی چیز اس کے نزدیک محبوب اور پیاری نہ تھی اور نہ اس سے زیادہ کسی چیز سے اسے دلچسپی اور دل بستگی تھی۔

اس کا تیسرا رفیق اس کی توجہ سے محروم تھا بلکہ کبھی کبھی اس کے ستم کا نشانہ بھی بن جاتا تھا۔ اگر توجہ کرتا بھی تو بہت کم، اس سے محبت ضرور تھی مگر بہت تھوڑی اور برائے نام۔ کرنا خدا کا کیا ہوا کہ اس شخص پر اچانک ایک مصیبت آ پڑی، بادشاہ اس سے ناراض ہو گیا، اس کے پیادے اسے بادشاہ کے حضور میں پیش کرنے کے لئے آ موجود ہوئے۔ انسان تھا گھبرا اٹھا اور اپنے پہلے رفیق سے امداد کا طالب ہوا جس پر اس نے دولت پانی کی طرح بہائی تھی اور ہر معاملے میں اسے اپنی ذات پر مقدم رکھا تھا بلکہ اسی کا ہو رہا تھا۔ اسے بلوایا اور اس سے کہا کہ اے میرے رفیق! میں اس وقت سخت مصیبت میں گرفتار ہو

گیا ہوں اور میری نظر تیری طرف اٹھی ہے اور تجھی پر جا ٹھہری ہے کہ میں نے تجھے ہمیشہ اپنی جان سے بھی عزیز رکھا ہے تجھ پر اپنا مال خرچ کیا ہے اور دل کھول کر خرچ کیا ہے اور جب تجھے کسی خطرے میں دیکھا خود کو خطرے میں ڈال کر تجھے بچایا، آج مجھے تیری امداد کی ضرورت ہے، بتا تو میرے لئے کیا کر سکتا ہے۔ رفیق نے جواب دیا کہ میں ہرگز تیرا رفیق نہیں، میرے اور بھی بہت سے دوست ہیں جو مجھے تجھ سے زیادہ عزیز ہیں انہیں چھوڑ کر میں تیری طرف کیونکر توجہ کر سکتا ہوں البتہ راستے کے لئے تھوڑا سا کپڑا تجھے دے سکتا ہوں مگر اس سے تجھے کوئی خاص فائدہ نہیں ہو گا۔

اس کے بعد وہ شخص اپنے دوسرے رفیق کی طرف متوجہ ہوا جس پر وہ بہت مہربان تھا اور جس کی خوشنودی اور رضاجوئی کو اپنا مقصد حیات بنا چکا تھا۔ اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اے میرے رفیق جانی! تو جانتا ہے کہ مجھے تجھ سے کتنی محبت تھی اور تیری خاطر میں نے کیسی کیسی قربانیاں دیں اور تجھ پر کتنا مال و زر خرچ کیا اور ہمیشہ تجھے اپنی توجہ کا مرکز بنائے رکھا، تیری ہر ضرورت پوری کی۔ آج مجھے تیری امداد کی ضرورت ہے کہ مجھ پر بڑا نازک وقت آ پڑا ہے بتا! تو کیا میری امداد کرے گا؟ اس دوسرے رفیق نے جواب دیا کہ بھائی! (آج تو وہ دن ہے) کہ میں خود اپنی فکر میں مبتلا ہوں، کہاں اتنی فرصت کہ تیری خبر لوں۔ یوں سمجھ لے کہ اب میری اور تیری دوستی و رفاقت ختم ہو گئی۔ میرا راستہ اور، تیرا اور۔ ہاں اتنا کر سکتا ہوں کہ کچھ دور تک تیرے ساتھ جا کر واپس آ جاؤں گا۔

اب یہ شخص اپنے اس رفیق کی طرف متوجہ ہوا جس کی طرف بہت کم توجہ کرتا تھا، فراخ حالی میں اسے پوچھتا تک نہ تھا بلکہ بعض دفعہ تو اسے نشانہ ستم بناتا تھا مگر "مرتا کیا نہ کرتا" کے مصداق اسے اپنے اس تیسرے رفیق کی امداد کا طالب ہونا پڑا اور اسے بلا کر کہنے لگا کہ اے میرے دوست! یہ سچ ہے کہ اپنی فراخ حالی کے دنوں میں میں نے تیری بات تک نہ پوچھی، تیرے ساتھ لطف و کرم کا برائے نام سلوک کیا بلکہ بعض اوقات تو تجھ پر ظلم و ستم بھی روا رکھا۔ اے میرے دوست! میں اپنے کئے پر سخت نادم ہوں۔ اس وقت بے سہارا ہوں اور تجھ ہی سے امداد کی توقع رکھتا ہوں۔ بتا کیا تو میرے کام آ سکے گا یا

نہیں؟ یہ سن کر اس تیسرے رفیق نے جواب دیا کہ گھبراؤ نہیں میں اپنی بساط بھر تمہارا ساتھ دوں گا' تمہیں اس مصیبت سے بچاؤں گا' تمہارا ساتھ ہرگز نہیں چھوڑوں گا نہ تم سے غافل ہوں گا۔ میں تمہارا ایسا رفیق ہوں جو تمہیں بلا میں گرفتار نہیں رہنے دے گا اور نہ تمہیں ذلیل و رسوا ہونے دے گا۔ تم اس وجہ سے مجھ سے ناامید نہ ہو کہ تم نے اس سے پہلے میرے ساتھ بہت کم حسن سلوک کیا۔ اے میرے دوست! بات یہ ہے کہ اپنی فراخ حالی کے زمانے میں جو تھوڑا بہت تم مجھے دیا کرتے تھے میں اسے بہت حفاظت سے اپنے پاس رکھا کرتا تھا۔ یہی نہیں بلکہ میں نے اس سے تجارت بھی کی اور اس سے جو منافع ہوا وہ محفوظ کر لیا تھا پس تم نے جو کچھ مجھے دیا تھا اس سے کئی گنا زیادہ تمہاری امانت کے طور پر میرے پاس رکھا ہوا ہے' مجھے یقین ہے کہ یہ مال اتنا زیادہ ہے کہ بادشاہ اس سے راضی ہو جائے گا اور تمہیں رہائی مل جائے گی چلو میں، تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ اپنے تیسرے رفیق کی گفتگو سن کر یہ مصیبت زدہ شخص کہنے لگا کہ میں حیران ہوں کہ اس وقت کس بات پر زیادہ حیرت اور تعجب کا اظہار کروں ----- اپنے اس تیسرے رفیق کی وفاداری اور ہمدردی پر جس کے ساتھ میں نے سب سے کم التفات کیا اور جو میرا سچا دوست ثابت ہوا ----- یا ان دونوں جھوٹے رفیقوں پر جن کے ساتھ میں نے اس قدر حسن سلوک کیا کہ انہیں اپنی جان پر مقدم رکھا مگر جو آج میرے کسی کام نہ آئے۔

تشریح:- (حضرت مسیحؑ اس تمثیل کی خود تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں) "پس پہلا رفیق تو مال ہے' دوسرا رفیق اہل و عیال ہیں اور تیسرا رفیق انسان کے (وہ) اعمال ہیں جو آخرت میں اس کے کام آئیں گے اور مصیبت وہ وقت ہے جب دنیا کے سارے جھگڑے ختم ہو جائیں گے اور انسان اپنے اعمال کی جواب دہی کے لئے مالک حقیقی کے روبرو پیش ہو گا۔" (جسے اس تمثیل میں بادشاہ سے تشبیہہ دی گئی ہے۔ مرتب) (صفحہ ۳۷ تا ۳۹)

فقیر کی دامادی

تمثیل ہے کہ ایک امیرزادے نے اپنے نوجوان بیٹے کے لئے اپنی بھتیجی کا رشتہ طے کیا۔ لڑکی خوش شکل بھی تھی اور امیر گھرانے کی بیٹی تھی پھر امیرزادے کی عم زاد تھی۔ غرض ہر لحاظ سے بہت موزوں جوڑا تھا مگر امیرزادے نے شادی کرنے سے انکار کر دیا۔ جب باپ نے اظہار ناراضگی کیا تو یہ گھر سے نکل بھاگا۔ اثنائے راہ میں ایک لڑکی پر نظر پڑی جو موٹے جھوٹے اور پیوند لگے لباس میں ملبوس ایک غریبانہ جھونپڑی کے دروازے پر بیٹھی تھی۔ لڑکی اس بلا کی حسین تھی کہ امیرزادہ اسے دل دے بیٹھا اور اس کی محبت میں اس قدر مغلوب ہوا کہ بیدھڑک لڑکی کے قریب جا کر اس سے پوچھ بیٹھا کہ اے نازنیں! تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں ایک غریب و مسکین بوڑھے کی بیٹی ہوں جو اس جھونپڑی میں رہتا ہے۔ یہ سن کر امیرزادے نے اس بوڑھے کو بلوایا اور اس سے کہا کہ کیا تم پسند کرو گے کہ اپنی بیٹی سے میری شادی کر دو۔ بوڑھے نے جواب دیا کہ بھلا تم کیوں میری بیٹی سے بیاہ کرنے لگے' اپنے لباس اور طور طریقوں سے تو تم کسی بڑے امیر کبیر آدمی کے بیٹے لگتے ہو۔ امیرزادے نے کہا کہ یہ لڑکی مجھے بھا گئی ہے اور میں اپنے گھر سے اسی لئے بھاگا ہوں کہ میرے والدین میری شادی ایک ایسی لڑکی سے کرنا چاہتے تھے جو حسب نسب کے علاوہ شکل و صورت کے لحاظ سے بھی اچھی اور خوبرو تھی مگر مجھے پسند نہیں تھی پس تم مجھے اپنی دامادی میں قبول کر لو۔ خدا نے چاہا تو تم مجھے بہت اچھا معاملہ کرنے والا پاؤ گے۔

جب امیرزادے کا اصرار بڑھا تو بوڑھے نے کہا کہ بھلا میں ایسے شخص سے اپنی بیٹی کا رشتہ کیسے کر دوں جو اسے لے کر اپنے گھر چلا جائے گا اور میری بیٹی میری نگاہوں سے اوجھل ہو جائے گی۔ اگر بالفرض میں خود کو اس پر راضی بھی کر لوں تو تمہارے والدین اور اقربا اس جھونپڑی نشیں غریب لڑکی کو اپنے عالی شان محل میں رکھنا کب گوارا کریں گے۔ امیرزادے نے جواب دیا کہ اگر آپ اپنی بیٹی کی جدائی برداشت نہیں کر سکتے یا آپ کو یہ خدشہ ہے کہ میرے والدین آپ کی بیٹی کو گوارا نہیں کریں گے تو میں آپ کی اسی جھونپڑی میں بود و باش اختیار کر لوں گا۔ بوڑھا بولا اچھا اگر تمہارا ارادہ اتنا پختہ ہے اور تم ہر

قیمت پر میری بیٹی سے شادی کرنا چاہتے ہو تو اپنا یہ امیرانہ لباس اتار دو اور میری طرح غریبانہ لباس پہنو۔ امیر زادہ فوراً آمادہ ہو گیا چنانچہ اس نے اسی وقت اپنی قیمتی پوشاک اتار کر ایک طرف رکھ دی اور بوڑھے کے دیئے ہوئے پھٹے پرانے کپڑے پہن لئے۔ اس کے بعد وہ بوڑھے کے پاس اس جھونپڑی میں بیٹھ گیا۔ بوڑھے نے اس سے اس کے حالات تفصیل سے دریافت کئے' اس سے مختلف سوالات کئے' اس کی عقل و فہم کا امتحان لیا اور جب اس نے دیکھا کہ اس امیرزادے نے جو کچھ کہا ہے وہ کسی وقتی جذبے کے تحت نہیں کہا ہے' نہ اس میں کسی نادانی کو دخل ہے بلکہ یہ صاحب فہم و تدبر شخص ہے تو اس نے امیرزادے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اے نوجوان امیرزادے! چونکہ تم نے اپنی مرضی سے ہمارے ساتھ رہنا پسند کیا ہے اس لئے آؤ میرے ساتھ چلو۔ یہ کہہ کر وہ جھونپڑی کے اندرونی حصے میں گیا' پیچھے پیچھے امیرزادہ تھا چند قدم چل کر بوڑھا ایک تہہ خانے میں اتر گیا۔ (امیرزادہ حیران تھا کیونکہ اسے اس تہہ خانے میں ایک نئی دنیا نظر آ رہی تھی) نہایت خوبصورت اور عالی شان عمارتیں' وسیع محلات پھر بوڑھے نے اسے وہ خزانے دکھائے جو (زر و جواہر کے علاوہ) ہر قسم کی نعمتوں سے بھرے پڑے تھے۔ یہ سب کچھ دکھانے کے بعد بوڑھے نے ان خزانوں کی کنجیاں امیرزادے کے حوالے کیں اور کہا کہ آج سے تم ان سب چیزوں کے مالک ہو جس طرح چاہو انہیں اپنے استعمال میں لاؤ۔ اس طرح اس نوجوان امیرزادے کو صاحب جمال بیوی اور بے بہا خزانے مل گئے جن پر اسے مکمل اختیار و اقتدار حاصل تھا۔

(صفحہ ۶۴ تا ۶۶)

تشریح:۔ اس تمثیل میں حضرت مسیحؑ نے بوڑھے فقیر کو صاحب باطن رہنما سے تشبیہہ دی ہے جو حق کی طرف دعوت دے رہا ہے' اس کی حسین و جمیل بیٹی دین حق ہے اور تہہ خانے میں تعمیر شدہ خوبصورت عمارتیں اور ان میں موجود خزانے وہ اثمار ہیں جو انسان کو آخرت میں اس کے نیک اعمال کے صلے میں ملتے ہیں اور ان کا کچھ حصہ دنیا میں بھی مل جاتا ہے۔ (مرتب)

دین و دانش

(ایک تمثیل سنو) کسی ملک میں دو بھائی تھے اور دونوں ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے تھے ان میں ایک تیراک تھا بلکہ تیراکی میں اس قدر مشاق گویا پانی کا جانور تھا جو پانی میں پیدا ہوتا اور پانی ہی میں زندہ رہتا ہے۔ اس کے برعکس دوسرا بھائی اس فن میں بالکل کورا' تیرنا تو دور کی بات ہے دریا میں اترنے سے اس کی جان جاتی تھی۔ ایک روز دونوں گھر سے نکلے اور تیراک بھائی اپنے دوسرے بھائی کو بھی ساتھ لے گیا۔ تھوڑی دور جا کر اس نے دریا کا رخ کیا اور کنارے پر پہنچ کر اس نے کسی نہ کسی طرح بھائی کو بھی دریا میں اترنے پر رضامند کر لیا۔ دونوں پانی میں اتر گئے اور رفتہ رفتہ آگے بڑھنے لگے' اتفاق کی بات کہ دونوں کے پیر پھسلے اور دونوں گہرے پانی میں جا پڑے۔ تیراک بھائی نے تو ہاتھ پیر مارنے شروع کئے اور چند منٹ میں تیر کر کنارے پر آ گیا مگر دوسرا بھائی غوطے کھانے لگا۔ کبھی نیچے جاتا اور کبھی اوپر آتا مگر ہاتھ پیر مار کر دریا سے باہر نکلنے کی کوشش نہ کرتا۔ اپنے بھائی کو اس حالت میں دیکھ کر تیراک بھائی کا دل تڑپ اٹھا مگر اس نے اپنے آپ کو قابو میں رکھا۔ وہ اس کی طرف بڑھا مگر اس کے پاس نہیں گیا کیونکہ اسے خطرہ تھا کہ اگر اس نے بھائی کا ہاتھ پکڑ کر بچانے کی کوشش کی تو وہ اس سے چمٹ جائے گا اور دونوں ڈوب جائیں گے یوں بھی تیراک بھائی دبلا پتلا اور پھرتیلا تھا جب کہ اس کا بھائی موٹا اور بھدے جسم کا مالک تھا۔ پس اس نے ایک ترکیب سوچی' جیسے ہی اس کا بھائی غوطہ کھا کر پانی کے اوپر آیا اس نے زور سے آواز دے کر اپنی طرف متوجہ کیا اور دور ہی سے اپنے دونوں ہاتھوں سے پانی کو کاٹ کر آگے بڑھنے کا مظاہرہ کرتا رہا' تاکہ اسے دیکھ کر بھائی بھی یہی عمل کرے اور پانی کو کاٹ کر آگے بڑھے۔ آخر اپنی جان بچانے کی خاطر اس نے بھی اپنے تیراک بھائی کی نقل کی۔ جب بھائی نے دیکھا کہ اب اسے اپنے اوپر اعتماد ہو گیا ہے اور گہرے پانی میں سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا ہے تو تیراک بھائی آگے بڑھا اور اپنے ہاتھ کا سہارا دے کر اسے تیراتا ہوا کنارے پر لے آیا اور دونوں ایک ساتھ پانی سے باہر نکل آئے۔ (صفحہ ۶۴)

تشریح:- حضرت مسیحؑ یہ تمثیل بیان کر کے ہمیں یہ سبق دینا چاہتے ہیں کہ گم کردہ راہ لوگوں کو راہ راست پر لانے کے لئے تدبر و فراست سے کام لینا چاہئے اگر جذباتیت یا بے تدبیری سے کام لیا جائے تو نتیجہ برعکس نکلتا ہے اور ناسمجھ راہ دکھانے والا بعض دفعہ خود بھی ہلاک ہو جاتا ہے۔ دین اور دانش دونوں کو ساتھ رکھنا چاہئے کیونکہ ایک کے بغیر دوسرا عبث اور بے حیثیت ہے۔ (مرتب)

شہزادے کو نصیحت

حضرت مسیحؑ ایک ریاست کے ولی عہد کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:-

اے شہزادے! تو کبھی ان لوگوں میں شامل نہ ہونا جن کا نفس انہیں ایسے بہت سے امور میں غور و فکر کرنے سے روکتا ہے جن میں بظاہر عقل کام نہیں کرتی اور غور و فکر کو راہ نہیں ملتی بیشک (دین کی) اکثر باتیں ایسی ہوتی ہیں جو فوراً سمجھ میں نہیں آتیں مگر دیر تک غور کرنے کے بعد ان کی حقیقت کھل جاتی ہے اس لئے جو بات سمجھ میں نہ آئے اس کا فوراً انکار نہیں کرنا چاہئے بلکہ اس پر غور کرتے رہنا چاہئے اور جو بات اور جو عقدہ تجھ پر کھل جائے اسے پوری طرح دل نشیں کر لیا کر تاکہ (یہ موتی) ضائع نہ ہو جائے (اور آئندہ زندگی میں تیری رہنمائی کر سکے)

خبردار دینی امور میں سے کسی ایسے امر میں کلام نہ کرنا جس کے بارے میں تجھے پوری طرح معلومات حاصل نہ ہو' یاد رکھ کہ کسی بات سے یہ کہہ کر دامن نہ چھڑا لینا کہ یہ تو میری طاقت سے باہر اور قدرت سے بالا ہے اس طرح کہیں ایسا نہ ہو کہ تیری فکری سہل انگاری تجھے اس (لطیف اور باریک بات) کو سمجھنے سے محروم کر دے' اگر کچھ اور نہ سہی تو اس پر غور ہی کیا کر کیونکہ کسی معاملے سے دست بردار ہو جانے سے اس پر غور کرنا بہرحال بہتر ہے۔ کسی دینی نکتے پر غور کرنے سے پہلوتہی سراسر جہل ہے اور جہل نہ یہ کہ تجھے صرف اس خاص نکتے پر غور کرنے سے محروم کر دے گا بلکہ ان حقائق سے بھی غافل کر دے گا جو تجھ پر روشن ہو چکے ہوں گے۔

(اے شہزادے!) میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ دنیا میں کوئی اچھی بات ایسی نہیں جسے کوئی شخص تھوڑا بہت نہ سمجھ سکتا ہو اگرچہ اس کی تکمیل پر قدرت نہ رکھتا ہو۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ انسان چشمہء آفتاب کو دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا یعنی اس کی آنکھیں سورج کی ساری روشنی کو برداشت کرنے کی متحمل نہیں ہو سکتیں مگر کوئی شخص اپنی آنکھوں کی اس کمزوری کی وجہ سے سورج کی تھوڑی سی روشنی کو کام میں لا کر اپنی ضروریات زندگی پوری کرنے سے باز نہیں رہتا۔ یہی حال کھانے پینے کا ہے کہ انسان کو کیسی کیسی خوش ذائقہ نعمتیں نظر آتی ہیں جنہیں وہ نوش جاں کر لینا چاہتا ہے یعنی اس کی ہوس چاہتی ہے کہ وہ یہ سب کچھ اپنے معدے میں اتار لے مگر ایسا کرنا اس کے لئے ممکن نہیں تو کیا اس سبب سے ان نعمتوں کی قلیل مقدار سے وہ حظ اٹھانے سے باز رہتا ہے پس یہی حال علم کا ہے کہ جتنا حاصل ہو سکے اس کے حصول میں مصروف رہنا چاہئے۔

اے شہزادے! یاد رکھ اور اس نکتے کو اچھی طرح سمجھ لے کہ علم اتنی بڑی اور ایسی عالی مرتبہ چیز ہے کہ انسان کا دل اور اس کی نظر اس پر پوری طرح حاوی نہیں ہو سکتے جس طرح انسان کی آنکھ آفتاب کی روشنی پر پوری طرح محیط نہیں ہو سکتی اور اس کا معدہ اور آنتیں کھانے پینے کی ساری اشیا کو اپنی گرفت میں نہیں لے سکتیں پس اسی طرح انسانی عقل اسی قدر علم کی متحمل ہو سکتی ہے جس قدر اس کی بساط اور استعداد ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ انسان اس چیز کا تھوڑا سا حصہ لینے سے رک جائے جو سارے کا سارا اس کے قبضے میں نہیں آ سکتا۔ پس اسی طرح اس کی یہ مجبوری کہ وہ سارا علم حاصل نہیں کر سکتا اسے اس حصہ علم سے نفع اٹھانے سے باز نہیں رکھ سکتی جس کا حاصل کرنا اس کے امکان میں ہے۔

(یاد رکھو!) شیطان کا ایک چلتا ہوا فقرہ اور کاری ہتھیار یہ بھی ہے جس کو آنکھ والوں کے سوائے اور کوئی نہیں سمجھ سکتا اور جس سے صرف وہی محفوظ رہ سکتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ بچانا چاہتا ہے۔ اس میں شک نہ کرو کہ شیطان کے کار آمد حربے دو ہی ہیں ایک یہ کہ انسان کے دل میں یہ بات ڈال دی جائے کہ (دینی امور کو سمجھنے کی) اس میں کچھ بھی عقل

نہیں ہے نہ ان باتوں کا کوئی فائدہ ہے۔ اس ہتھیار کے ذریعے سے وہ اللہ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ کی معرفت اور حق کی محبت اور اس کی طلب و جستجو سے روکتا ہے اور ان باتوں کی ضد یعنی دنیا کی مکرویات اور ناپسندیدہ کھیل تماشوں میں مشغول کر دیتا ہے۔ پس اگر اس کا یہ ہتھیار چل گیا تو اس نے اپنا کام کر لیا اور اگر خالی گیا اور انسان اس کے دام فریب سے نکل بھاگا تو اس نے دوسرا ہتھیار سنبھالا اور وہ یہ ہے کہ جب آدمی (معرفت کا کوئی نکتہ) اپنی عقل سے دریافت کرتا ہے تو شیطان اس کے سامنے اور بہت سی باتیں پیش کر دیتا ہے جن کو انسانی ذہن سمجھنے سے عاری اور معذور ہوتا ہے اس لئے ان سے گھبرا کر' اکتا کر اور پریشان ہو کر کہہ اٹھتا ہے کہ یہ باتیں بھلا کبھی کامل طور پر کسی کو معلوم ہوئی ہیں جو مجھے معلوم ہوں گی' یہ تو میری بساط سے باہر ہیں اور جو چیز طاقت سے باہر اور جس کا دریافت کرنا ممکن ہی نہ ہو اس میں تکلیف اور مشقت اٹھانا لاحاصل اور عبث ہے۔ اس ہتھیار سے شیطان بہت سی انسانی قوتوں کو بیکار کر دیتا ہے جو انسانی نفس میں حق کی طلب اور اس کی نجات کے لئے ودیعت کی گئی ہیں۔

(اے شہزادے! یاد رکھ) شیطان کے ان دونوں ہتھیاروں کی سپر صرف دو باتیں ہیں ایک یہ کہ جو چیز نفع نہ دے اس کے حصول سے باز رہنا اور دوسری یہ کہ علم یا بھلائی میں سے جو کچھ حاصل ہو سکتا ہو اسے حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔ بس ان دونوں باتوں کو گرہ میں باندھ لے اور ہوشیار ہو جا کہ علم کے حصول اور جو علم حاصل ہو چکا ہو اسے محفوظ رکھنے میں کوتاہی نہ کر اور شیطان ان دونوں باتوں کے بارے میں تجھے فریب نہ دے سکے۔

(صفحہ نمبر ۷۷ تا صفحہ ۷۹)

جھوٹے اور سچے نگینے

میں تم سے ایک تمثیل بیان کرتا ہوں سنو! کسی شخص کے پاس نہایت نفیس اور خوبصورت جواہرات کا ایک خزانہ تھا۔ ان جواہرات میں اللہ تعالیٰ نے جو شافی مطلق ہے یہ تاثیر رکھی تھی کہ جب کوئی اندھا' گونگا' بہرا یا مجنون انہیں دیکھتا تھا یا پہنتا تھا تو اچھا ہو جاتا تھا۔

ان جواہرات کا مالک دل کا سخی واقع ہوا تھا وہ یہ جواہرات بیماروں یا مجنونوں کو دینے یا دکھانے میں بخل نہیں کرتا تھا اور نہ ان سے کسی صلے یا معاوضے کا طالب ہوتا تھا اور اگر صلہ چاہتا بھی تھا تو بس اتنا کہ لوگ ان جواہرات کی خوبی اور عمدگی کو پہچان لیں اور ان سے دنیاوی فائدے کا کام نہ لیں اور نہ انہیں کسی نااہل کی گردن میں ڈالیں۔ ہوتے ہوتے یہ بات کچھ لالچی اور غلط کار لوگوں کو بھی معلوم ہو گئی انہوں نے آپس میں صلاح مشورہ کیا اور اس کے پاس آ کر بڑی عاجزی سے یہ ظاہر کیا کہ ہم ان جواہرات کا شہرہ سن کر دور دور کے شہروں سے آپ کے پاس آئے ہیں اور بہت سے بیماروں کو ان شہروں میں چھوڑ آئے ہیں جو ان جواہرات سے شفایاب ہونے کے آرزومند ہیں۔ اگر آپ ہمیں یہ جواہرات بطور امانت دے دیں گے تو ہم ان کا صحیح استعمال کریں گے اور آپ کی شرائط کی پوری پابندی کریں گے۔ یہ سن کر جواہرات کے مالک نے بہت سے جواہرات انہیں دے دیئے اور ہدایت کی کہ ان کا صحیح استعمال کرنا اور ان بیماروں کو دینا جو نیت کے پکے اور قول و قرار کے سچے ہوں ان کے سوائے دوسرے لوگوں سے انہیں بچا کر رکھنا لیکن ان لالچی اور غلط کاروں لوگوں نے ان جواہرات کو آپس میں بانٹ لیا اور ان سے ذاتی فوائد حاصل کرنے کے لئے مختلف شہروں میں پھیل گئے۔ جب ان جواہرات کا مالک فوت ہونے لگا تو اس نے جواہرات کا یہ خزانہ چند نیک اور پارسا لوگوں کے سپرد کر دیا اور انہیں وصیت کی کہ یہ جواہرات اسی طرح استعمال کرنا جس طرح میں استعمال کرتا تھا اور جن چیزوں سے میں انہیں بچائے رکھتا تھا تم بھی ان سے بچائے رکھنا۔ اس نے انہیں بتایا کہ ان جواہرات میں سے کچھ جواہرات بدعہدوں اور خائنوں کے ہاتھوں میں پڑ کر ضائع ہو گئے ہیں اور ان بدعہدوں نے ان کی تجارت شروع کر دی ہے انہوں نے جاہلوں' بدکاروں اور جانوروں کو ان سے زینت دی ہے اور انہیں مورتیوں اور تصویروں کے گلے میں ڈالا ہے اور جو گویائی' بینائی اور شنوائی ان میں نظر آئے تو سمجھو کہ وہ انہیں جواہرات کی بدولت ہے پس انہیں تلاش کر کے یہ جواہرات ان نالائقوں سے واپس لے لینا۔ اس نے ان جواہرات کو واپس لینے کا طریقہ بھی انہیں بتا دیا۔ اس کے انتقال کے بعد یہ نئے امانت دار تھوڑے تھوڑے جواہرات لے کر گمشدہ جواہرات کی تلاش میں مختلف شہروں کو روانہ ہو گئے لیکن ان لوگوں کے پہنچنے سے پہلے

ہی ان بدعہد اور لالچی لوگوں نے یہ حرکت کی کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے حصے میں آئے ہوئے جواہرات کے ہم شکل اور اسی رنگ ڈھنگ کے کچھ اور مصنوعی جواہرات بنوا لیئے جو کانچ اور شیشے کے تھے ان اصلی اور نقلی جواہرات کو آپس میں خلط ملط کردیا تاکہ ان کا مال زیادہ معلوم ہو اور وہ کانچ اور شیشے کے نقلی جواہرات کو بھی اصلی جواہرات کے مول بیچیں چنانچہ وہ سب اس دھوکے بازی کی تجارت کی بدولت تاجر، پیشوا اور سردار بن گئے۔ انہوں نے لوگوں کو اپنے دام فریب میں پھانس رکھا تھا تاکہ سرداری اور پیشوائی کا لبادہ اوڑھ کر ان کا مال کھا سکیں۔

جب جواہرات کے حقیقی امانت دار گمشدہ جواہرات کی تلاش میں روانہ ہوئے تو وہ بھی انہی شہروں اور دیہات میں پھیل گئے اور ان کے پاس جو جواہرات تھے وہ لوگوں کو دکھا کر ان سے نفع اٹھانے کی تاکید کرنے لگے مگر کوئی گاؤں اور شہر ایسا نہیں تھا جہاں ان بدعہدوں اور لالچیوں نے یہ مصنوعی اور جعلی جواہرات نہ پھیلا دیئے ہوں اس لئے لوگ ان امانت داروں سے ملنے میں بے پروائی کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ان کے اصلی جواہرات کو بھی کانچ اور شیشے کے جواہرات سمجھتے تھے اور ان کے ذریعے شفا پانے سے ناامید ہو گئے تھے کیونکہ انہیں بدعہدوں اور خائنوں کے جواہرات کے جھوٹے اور مصنوعی ہونے کا تجربہ ہو چکا تھا۔

آخر کار امانت داروں اور ان خائنوں اور بدعہدوں کے درمیان مقابلہ ہوا۔ امانت داروں نے ان سے کہا کہ تم نے بدعہدی سے ہمارے جواہرات پر قبضہ کر لیا ہے اور ان میں جھوٹے جواہرات ملا کر لوگوں کو فریب دے رکھا ہے۔ تم سچے جواہرات کے نام پر جھوٹے نگینے لوگوں کو دیتے ہو جن میں کوئی نفع نہیں۔ اگر تم ہماری بات نہیں مانتے ہو تو اپنا مال لے آؤ ابھی لوگوں پر ہمارا سچ اور تمہارا جھوٹ کھل جائے گا۔ یہ سن کر ان خائنوں اور بدعہدوں میں کھلبلی پڑ گئی۔ ان سب نے اکٹھے ہو کر امانت داروں کے ساتھ بڑے مکر اور حیلے کیئے۔ وہ سب ایسے بتوں کو لائے جو خود بخود حرکت کرتے تھے۔ ایسے چوپایوں کو لائے جو باتیں کرتے تھے۔ ایسے بدکاروں کو لائے جن کے رخسار جگمگاتے تھے۔ ایسے بدعقلوں کو لائے جن میں متانت اور فراست آگئی تھی اور یہ سب باتیں اس وجہ سے تھیں کہ ان کے گلوں میں کچھ اصلی جواہر پڑے ہوئے تھے

اور اوپر سے انواع اور اقسام کی ایسی مالائیں پڑی ہوئی تھیں جو کانچ اور شیشے کی تھیں مگر شکل و صورت اور رنگ ڈھنگ میں اصلی جواہرات سے مشابہ تھیں۔ اسی کے ساتھ ان کے سروں پر خالص جواہرات کی کلغی تھی جس کی چمک دمک نے ان نگینوں کے عیب کو نہ صرف ڈھانپ رکھا تھا بلکہ ان کو اور زیب و زینت دے رکھی تھی۔

امانت دار یہ منظر دیکھتے ہی ان بدعہدوں اور خائنوں کی چالوں کو سمجھ گئے اور جو جواہر خالص تھے ان کو تاڑ گئے۔ دوسری طرف ان جواہرات نے بھی جو اصلی اور خالص تھے مگر جھوٹے جواہرات کے ساتھ ملے ہوئے تھے جونہی اپنے ساتھی سچے جواہرات کو دیکھا اور ان کو اپنے لائق پایا تو وہ سب اپنی لڑیوں اور جگہوں کو چھوڑ کر ان کے پاس آنے لگے اور اپنی جنس کے ساتھ ملنے لگے پھر تو وہ جس بت سے الگ ہوئے وہ سرنگوں ہوا اور جس چوپائے سے جدا ہوئے وہ گونگا اور بہرہ ہو گیا اور جس زانی و بدکار سے علیحدگی اختیار کی اس کی ناپاکی اور گندگی کھل گئی اور جس بدعقل کو دور باش کہا اس کی کم ظرفی اور بدعقلی ظاہر ہو گئی یہاں تک کہ سب مصنوعی مالائیں اور کلغیاں ذلیل و بے رونق ہو گئیں اور لوگوں کا یہ حال ہوا کہ ان سچے جواہرات کی چمک دمک، خوبصورتی و روشنی دیکھ کر ان کی آنکھوں میں چکا چوند آگئی اور ان کی عمدگی کے قائل اور ان کے ذریعے سے شفا کے طالب ہوئے۔

تمثیل بیان کرنے کے بعد یوز آسف کہتے ہیں کہ:۔

(اے بادشاہ!) حاصل کلام یہ کہ جواہرات کے خزانے کا مالک تو بدھ تھا۔ خزانہ دین ہے۔ انواع و اقسام کے جواہر، دراصل حکمت کا کلام ہیں۔ بدعہد اور خائن تیرے پیشوایان بت پرست ہیں ان لوگوں نے اصلی جواہرات میں کانچ اور شیشے کے جو نگینے ملائے ہیں وہ ان کا جھوٹا کلام ہے جو تجھ پر اثر کر گیا ہے۔ امانت دار وہ لوگ ہیں جو تیرے نزدیک اس لئے برے ہیں کہ یہ زاہد اور صاحب تقویٰ ہیں اور ان لوگوں نے جن اصلی اور نادر جواہرات کو بدعہدوں اور خائنوں سے واپس لیا ہے یہ وہ حکمت ہے جس کو تو نے اور تیرے پیشوایان مذہب نے اپنے جھوٹے کلام میں ملا دیا ہے" (صفحہ ۱۸۷ تا ۱۹۱)

تشریح! اس تمثیل سے جو خود یوز آسف بیان کر رہے ہیں چار چیزیں ثابت ہوتی ہیں:۔

اول یہ کہ یوز آسف جس بادشاہ کے زمانے میں ہندوستان تشریف لائے تھے وہ گوتم بدھ کا پیروکار تھا خود گوتم بدھ نہیں تھا۔

دوم یہ کہ یہ بادشاہ بت پرست تھا اور تارک الدنیا اور راہبوں کو اذیتیں دے دے کر قتل کرواتا تھا۔ یہ راہب اور تارک الدنیا لوگ بدھ مذہب کے لوگ ہرگز نہیں ہو سکتے کیونکہ بدھ راہبوں کو تو وہ عزت دیتا تھا اور اپنے انہی پیشوایان مذہب کے زیر اثر تھا جیسا کہ یوز آسف نے اسے مخاطب کر کے بیان کیا تھا۔ یہ تارک الدنیا دراصل ہندوستان میں آباد نیک نفس اور پاکباز یہودی تھے جو اس بت پرست بادشاہ کے غیظ و غضب کا شکار ہوئے تھے۔

سوم یہ کہ اس بادشاہ اور اس کے پیشوایان مذہب نے ہر دور کے گمراہ لوگوں کی طرح گوتم بدھ کی حقیقی اور پاکیزہ تعلیم میں اپنی خود ساختہ اور شرکیہ تعلیم کی آمیزش کر دی تھی جسے یوز آسف جھوٹے نگینوں سے تشبیہ دیتے ہیں۔

چہارم یہ جیساکہ آگے چل کر میں ثابت کروں گا یوز آسف تمثیلوں میں کلام کرتے تھے چنانچہ اس تمثیل سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے اور یہ خصوصیت حضرت مسیحؑ ابن مریم کی تھی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یوز آسف اور مسیحؑ ابن مریمؑ ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔

دو سوکنیں

حضرت مسیحؑ نے اپنے ایک شاگرد کو رموز معرفت سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا:۔
دنیا اور آخرت دو ایسے گھر ہیں جو ایک دوسرے کی ضد واقع ہوئے ہیں کوئی شخص بیک وقت دونوں کو پوری طرح آباد نہیں کر سکتا اور نہ دونوں کو یک جا کر سکتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص دو ایسی سوکنوں کو جن کے درمیان سخت عداوت ہو ایک گھر میں اور ایک طور سے نہیں رکھ سکتا پس بالکل یہی حال دنیا اور آخرت کا ہے البتہ دونوں میں فرق یہ ہے کہ آخرت فراخ دل واقع ہوئی ہے اور سہل الحصول ہے' اس کی راہ آسان ہے اور اس کے دروازے ان لوگوں کے لئے کھلے ہوئے ہیں جو اس کی راہ اختیار

کرنا چاہتے ہوں اور دنیا سے جو اس کی دشمن ہے بچتے رہیں۔ دنیا تنگ دل' بخیل' ناآشنا اور منحوس ہے اور اس کی راہیں بہت تنگ اور دشوار گذار ہیں اور اس کے طالب اس پر ایسے فدا اور دلدادہ ہیں کہ اسے حاصل کرنے کے لئے کوئی مکرو فریب' سنگ دلی اور بدبختی ایسی نہیں جو ان کے حصے میں نہ آتی ہو جبکہ دنیا پر لات مارنے اور اس کی آلودگیوں سے اپنا دامن محفوظ رکھنے والے ایسا نہیں کرتے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ دنیا کے بندے آخرت کے ذریعے دنیا کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں یعنی بظاہر آخرت کے طالب ہوتے ہیں مگر ان کا حقیقی مطمع نظر دنیا ہوتی ہے مگر ایسے لوگوں کو دنیا بھی منہ نہیں لگاتی۔ پھر دنیا کے مزاج میں کمینہ پن بھی ہے۔ یہ کپڑے پہنانے سے پہلے ننگا کر دیتی ہے' خوش حال بنانے سے پہلے بدحال بنا لیتی ہے' اس پر طرہ یہ کہ جب دنیا اپنے کسی بندے کو لباس سے زینت دیتی ہے تو دوسرے سے چھین کر اس کو ننگا کر دیتی ہے اور اسے وہی کچھ عطا کرتی ہے جس کے جانے کا داغ دوسرے کو دیتی ہے۔ اس کے باوجود اس کا کوئی سلوک پورا اور کوئی احسان کامل نہیں ہوتا۔ وہ اپنا دیا ہوا واپس لے لیتی اور اکٹھا کیا ہوا بکھیر دیتی (منتشر کر دیتی) ہے' بنایا ہوا ڈھا دیتی ہے' نئے کو پرانا کر دیتی ہے' ہرے کو خشک' بلند کو پست' تندرست کو بیمار اور زندہ کو مردہ کر دیتی ہے۔

جنگل اور باغ کی تمثیل

اب ایک تمثیل سنو! ایک جنگل ہے جو ہر طرف سے مختلف حوادث میں گھرا ہوا ہے اس کے اندر ہر طرف بنجر زمین ہے' دور دور تک پانی کا نام و نشان نہیں۔ اس جنگل پر خونخوار درندوں' سنگدل چوروں' جفاکار شیطانوں اور نڈر اچکوں کی حکومت ہے' اس کی ہوا جھلسا دینے والی ہے۔ اس جنگل کے درمیان ایک باغ ہے جس کی چار دیواری اتنی بلند ہے کہ اسے دیکھتے ہی پھاندنے کا ارادہ کرنے والے کی ہمت جواب دے جاتی ہے اس کا ایک پھاٹک ہے جو نہایت پرکار اور مضبوط ہے۔ اس باغ میں میوہ دار درختوں کی افراط

ہے' صاف و شفاف پانی ہے اور ٹھنڈی اور خوشگوار ہوا چلتی رہتی ہے۔ ہر طرف گھنا سایہ ہے۔
اس خشک اور بے آب و گیاہ جنگل سے پرے ایک طرف سرسبز کشت زار اور ہرا بھرا مرغزار ہے جو لوگوں سے خوب آباد ہے۔ دوسری جانب ایک زہریلا سمندر ہے جس میں اژدہا نما مگرمچھ ہروقت زہر اگلتے رہتے ہیں اور ہروقت گرم ہوا کے جھکڑ چلتے رہتے ہیں۔ اس جنگل سے باہر نکلنے کے صرف یہی دو راستے ہیں۔ اس جنگل میں جو باغ ہے اس میں بہت تھوڑے سے لوگ ہیں اور اس کے باہر جو بے آب و گیاہ جنگل ہے اس میں لوگوں کا بہت بڑا مجمع ہے۔ اس جنگل کے درمیان جو باغ ہے اس میں کچھ ایسے لوگ ہیں جو ہردم اس میں سے باہر نکلنے اور رنج و عذاب میں پڑنے کے لئے اس خاطر تیار ہیں کہ کسی طرح اس سرسبز کشت زار و مرغزار تک پہنچ جائیں جو لوگوں سے خوب آباد ہے۔ اس باغ میں بعض ایسے لوگ بھی ہیں جن کے نزدیک اس سے باہر نکلنے کے برابر کوئی اور رنج اور عذاب ہی نہیں۔

جو لوگ باہر جنگل میں ہیں اب ان کی بابت سنو' ان کی دو قسمیں ہیں یا یوں کہو کہ ان کی دو جماعتیں ہیں۔ ایک تو وہ لوگ ہیں جو اس سرسبز کشت زار اور ہرے بھرے مرغزار میں جانے کے لئے اس غرض سے بیتاب و بے قرار ہیں کہ اندر جا کر کھائیں پئیں اور سبزہ و مرغزار کی بہار دیکھیں۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو اپنی جگہ پر خوش و مطمئن اور اس شخص کی تلاش میں ہیں جو انہیں اس آسائش اور فراخ حالی کی جگہ پہنچادے۔ یہ باغ بادشاہ کی وہ محفوظ جگہ ہے جہاں وہ ہمیشہ اپنے معتبر نائبین کو بھیج کر اس کا انتظام کراتا ہے۔ یہ نائبین باغ میں موجود ان لوگوں کو باہر نہیں نکالتے جو بگاڑ اور فساد پیدا نہیں کرتے اسی طرح باہر والوں میں سے جن لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ انہوں نے نہ کچھ توڑا پھوڑا ہے اور نہ فتنہ و فساد کیا ہے انہیں وہاں سے نکال کر باغ کے اندر پہنچادیتے ہیں۔ اس کے برعکس باغ کے اندر والوں میں سے جنہیں دیکھتے ہیں کہ انہوں نے بے راہ روی اختیار کی' اسراف سے کام لیا اور اپنی حد سے بڑھ گئے انہیں باہر نکال دیتے ہیں۔ اسی طرح باغ سے باہر والوں میں سے جنہیں دیکھتے ہیں کہ انہوں نے کچھ بگاڑا' ڈھایا اور خرابی کی ہے انہیں اٹھا اٹھا کر زمین پر پٹختے اور سخت غیظ و غضب کے عالم میں گھسیٹتے ہوئے دور لے جا کر اس کڑوے اور زہریلے

پانی میں پھینک دیتے ہیں جہاں موت اور غرقابی کے سوا اور کچھ نہیں۔

تشریح: (یہ تمثیل بیان کر کے خود حضرت مسیحؑ اس کی یوں تشریح کرتے ہیں کہ) وہ جنگل تو یہ دنیا ہے جس میں طرح طرح کی بلائیں اور آفتیں ہیں اور باغ وہ تھوڑا سا عیش و آرام ہے جو دنیا میں رہنے والوں کو عارضی طور پر دیا گیا ہے۔ اس جنگل کی ایک جانب جو کشت زار و مرغزار ہے وہ نیکو کاروں کی جگہ ہے اور زہریلا سمندر بدکاروں کا ٹھکانہ اور آخرت کا گھر ہے۔ (صفحہ نمبر۹۶ تا نمبر۹۹)

نافرمان سپاہیوں کی تمثیل

حضرت مسیحؑ ایک شہزادے کو نصیحت کرتے ہوئے ایک تمثیل بیان کرتے ہیں:۔
ایک بادشاہ نے اپنا لشکر دشمن کے ملک پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کیا ساتھ ہی اسے خطرہ پیدا ہوا کہ عیار دشمن کہیں اس کے لشکر کے افسروں اور سپاہیوں کو توڑ کر اپنے ساتھ نہ ملا لے چنانچہ اس نے انہیں واضح اور مناسب ہدایات دینے کے بعد ان کے اہل و عیال اور اموال میں سے ایسی چیزیں ضمانت کے طور پر اپنی تحویل میں لے لیں جن کی وجہ سے اس کی فوج کے لوگوں پر اس کا دباؤ قائم رہے اور وہ دشمن سے ملنے سے پہلے سو بار سوچیں کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔ اس کے علاوہ اس نے انہیں بتا بھی دیا کہ تم میں سے اگر کسی نے ہم سے سرکشی یا بغاوت کی تو یاد رکھو کہ اپنے مال سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے گا اور اہل و عیال سے بھی۔ اس کے برعکس جو افسر اور سپاہی ہماری اطاعت و فرمانبرداری کریں گے اور جان توڑ کر لڑیں گے وہ انعام و اکرام سے مالا مال کر دیئے جائیں گے۔ اس کے بعد اس نے فوج سے عہد لیا کہ جب تم دشمن پر غالب آ جاؤ تو اس کے سپاہیوں کو ان کے گھروں سے نکال کر قید کر لینا مگر ان میں مل جل کر ہرگز مت رہنا۔ پس جو لوگ قول کے سچے تھے' جنہیں اپنی زبان کا پاس تھا اور وفاداری کا احساس تھا وہ تو محتاط رہے اور وہی کیا جس کا انہیں ان کے بادشاہ نے حکم دیا تھا اور اس چیز کے قریب بھی نہ گئے جس کی ممانعت کی گئی تھی مگر جو بدعہد اور نافرمان تھے وہ بادشاہ کے دشمنوں سے شیر و شکر ہو گئے اور انہی میں رہنے لگے

اس لئے بادشاہ الگ ان پر ناراض ہوا اور گھر بار اور آل اولاد سے الگ محرومی اٹھانی پڑی۔ (صفحہ نمبر۱۰۲)

تشریح:۔ اس تمثیل میں بادشاہ کو اللہ تعالیٰ سے اور غنیم کو شیطان سے تشبیہ دی گئی ہے۔ لشکر انسانوں کی وہ جماعتیں ہیں جنہیں بادشاہ (اللہ تعالیٰ) نے شیطان اور اس کے لشکر سے جنگ کرنے کا حکم دیا ہے اور تاکید کی ہے کہ جب ان سے مقابلہ ہو تو ان کے ساتھ نرمی کا سلوک مت کرنا اور نہ اپنے دل میں ان کے لئے نرم گوشہ رکھنا اگر تم شیطان اور اس کی ذریت کا مقابلہ کرنے کی بجائے ان سے راہ و رسم بڑھاؤ گے تو یہ تمہیں اپنے رنگ میں رنگ لیں گے اور تم نہ صرف ہلاک ہو جاؤ گے بلکہ (بادشاہ) مالک حقیقی کی نافرمانی کے بھی مرتکب ہو گے۔ یہی مضمون قرآن حکیم میں قصہ ء آدم و ابلیس کے رنگ میں بیان کیا گیا ہے۔ گویا جو مضمون حضرت مسیحؑ کی زبانی بیان کیا گیا چھ سو سال کے بعد وہی مضمون قرآن کریم نازل کرنے والے خدا نے ایک دوسرے لطیف پیرائے میں زیادہ وضاحت اور خوبصورتی سے بیان کر دیا دونوں کا بنیادی تصور ایک ہی ہے۔

پالتو ہرن کی کہانی

ایک تمثیل سنو! کسی شہر میں ایک معزز امیر رہتا تھا اس کے کمسن بچے نے ایک ہرن پالا اور اسے اپنے آپ سے اتنا ہلا لیا کہ نہ لڑکے کو ہرن کے بغیر چین آتا تھا اور نہ ہرن لڑکے کے بغیر آرام پاتا تھا مگر اس کے باوجود ہرن اپنی فطرت اور جبلت کے ہاتھوں تنگ بھی تھا اور اس کا دل جنگل میں جانے کے لئے تڑپتا رہتا تھا۔ ایک دن کیا ہوا؟ گھر والے غافل تھے حویلی کا دروازہ کھلا تھا ہرن کے سر میں آوارگی کا کچھ ایسا سودا سمایا کہ جنگل کی راہ لی۔ وہاں پہنچتے ہی اسے ہرنوں کی ایک ڈار دکھائی دی۔ مدت کے بعد اپنے ہم جنسوں کو دیکھتے ہی دل قابو سے نکل گیا اور دیوانہ وار ڈار کی طرف دوڑا اور اپنے ساتھیوں سے جا ملا۔ جنگل کے ان ہرنوں نے اس نئے ہرن کو دیکھا بظاہر تو وہ انہیں ہرن ہی نظر آیا مگر اس کی چال ڈھال اور طور طریقے بدلے ہوئے پا کر وہ اس سے بھڑکے اور بھاگنے لگے مگر پھر

اس کی ظاہری بناوٹ اور شکل و صورت دیکھ کر اور یہ سمجھ کر کہ آخر یہ انہی کی جنس کا فرد ہے رک گئے دونوں طرف سے آشنائی اور ملنساری کا اظہار ہونے لگا اور دونوں ایک دوسرے سے مانوس ہو گئے۔ کچھ دیر تک اپنے ہم جنسوں میں رہنے اور جنگل میں چرنے چگنے کے بعد ہرن اپنے مالک کے گھر واپس آگیا۔ پھر تو اس کا روزانہ کا دستور ہو گیا کہ جہاں گھر والوں کی نظر بچی اور اس نے جنگل کی راہ لی' کچھ وقت ہم جنسوں میں گزارا' اچھلا کودا' چرا چگا اور گھر واپس آگیا۔ اگرچہ لڑکا بھی اور اس کے گھر والے بھی ہرن کی اس علت سے واقف ہو گئے تھے مگر چونکہ وہ جلد لوٹ آتا تھا اس لئے روک ٹوک نہیں کرتے تھے۔ ادھر ہرنوں کا ریوڑ بھی مدت تک اسی جنگل میں رہا تاکہ یہ پالتو ہرن آکر ان سے مل لیا کرے اور اپنی فطری تشنگی بجھا لیا کرے کیونکہ اگر وہ یہ جنگل چھوڑ کر کسی دور دراز کے جنگل میں نکل جاتے تو یہ بیچارہ ہرن بھٹک بھٹک کر جان ہار جاتا لیکن کچھ مدت کے بعد وہاں کا چارہ دانہ اور پانی وغیرہ ختم ہو گیا تو مجبور ہو کر انہوں نے وہاں مزید قیام کا ارادہ ترک کر دیا اور کسی دوسرے جنگل کی راہ لینے کا فیصلہ کیا۔

ایک روز جیسے ہی وہ پالتو ہرن اپنے دوستوں سے ملنے کی غرض سے جنگل میں پہنچا' ہرنوں کی اس ڈار نے زقندیں بھریں اور بگٹٹ دوڑتے ہوئے ایک دوسرے سرسبز و شاداب جنگل میں جا ٹھہرے اپنے ساتھ اس پالتو ہرن کو بھی لیتے گئے اور اس سے کہنے لگے اب ہر روز یہیں آ جایا کرو اور اپنے دوستوں کی رفاقت میں رہ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر لیا کرو مگر اس روز جب ہرن بہت دیر سے گھر واپس پہنچا تو امیر اور اس کے گھر والوں کو فکر پیدا ہوئی اور سوچنے لگے کہ اپنے ہم جنسوں میں رہ کر کہیں یہ پورا وحشی نہ بن جائے اور گھر کا رخ کرنا ہی چھوڑ دے۔ آخر امیر نے ایک ہوشیار شخص کو بھیجا کہ جا کر دیکھے کہ ہرن کہاں جاتا اور کیا کرتا ہے۔ اس شخص نے جا کر سارا پتہ و سراغ لگا لیا اور واپس آکر امیر سے سب احوال کہہ سنایا۔ دوسرے روز امیر نے بہت سے شکاری کتے اور تیر اندازوں کی ایک جماعت تیار کی اور جب ہرن گھر سے جنگل کی طرف روانہ ہوا تو یہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ جوں ہی ہرن اپنے ہم جنسوں میں پہنچا ان شکاری کتوں اور تیر

اندازوں نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا۔ جنگلی ہرن ذبح کئے گئے اور پالتو ہرن گرفتار ہوا اور اسے گھر میں لا کر مضبوط رسی سے باندھ دیا گیا تاکہ دوبارہ جنگل کا رخ نہ کرنے پائے۔ (صفحہ نمبر۱۰۵ تا صفحہ نمبر۱۰۶)

تشریح:۔ اس تمثیل میں حضرت مسیحؑ نے پالتو ہرن کو نفس انسانی سے تشبیہ دی ہے اور جنگلی ہرنوں کو غیر مہذب شہوات انسانی سے، حضرت مسیحؑ ہمیں اس نکتے سے آشنا کرتے ہیں کہ انسانی نفس تربیت کا محتاج ہے، اس کی جبلت میں بے قیدی اور سرکشی کا مادہ رکھا گیا ہے اسے جب بھی موقع ملتا ہے یہ اپنی اصل کی طرف لوٹنے کی کوشش کرتا ہے پس ضروری ہے کہ اس پر کڑی نظر رکھی جائے اور ان طاقتوں اور جذبات کو ذبح کر دیا جائے جو اسے گمراہ کرتے ہیں۔

حکمت کا سرچشمہ

تم نے دیکھا ہو گا کہ جو لوگ چارپائے اور پرندے پالتے ہیں تو ان سے کام لینے کے لئے انہیں سدھاتے ہیں، انہیں چلانے، آگے بڑھانے اور روکنے کے لئے کچھ اشارے اور آوازیں مخصوص کر لیتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ ناسمجھ جانور ان کی زبان اور ان کا کلام نہیں سمجھ سکیں گے پس وہ ان سے ان اشاروں اور آوازوں سے کام لیتے ہیں۔ یہی حال نادان انسان کا ہے جو بہت سے امور میں مجبور بھی ہے، وہ کلام ربانی اور پیغام ملائکہ کو اس وقت تک نہیں سمجھ سکتا جب تک (ربانی لوگ) اپنے نطق کے ذریعے اسے نہ سمجھائیں۔ پس گوشت اور خون کی یہ زبان جس سے نطق انسانی ظاہر ہوتا ہے اس سیٹی یا آواز کی مانند ہے جسے انسان سے سن کر حیوان یاد رکھتے ہیں۔ یہی آواز اس وحی اور اسرار الٰہی کو انسان تک پہنچاتی ہے جس سے نبیوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ انسان کو واقف کرنا چاہتا ہے۔ پس آواز کو حکمت کا جسم اور خود حکمت کو آواز کی جان سمجھنا چاہئے۔ جس طرح انسان کے جسم کی تعظیم اور عزت اس روح کی وجہ سے کی جاتی ہے جو اس کے جسم میں مقیم ہوتی ہے اسی طرح آواز یا کلام اور اس کے موضوع کی تعظیم و تکریم اس حکمت کی

وجہ سے ہوتی ہے جو اس میں پوشیدہ ہوتی ہے۔ گویا حکمت کی باتیں بلند مرتبہ اور باطل پر حکمراں ہوتی ہیں، سچ اور جھوٹے پر حکم و عدل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ حکمت کی حیثیت دنیا میں عادل حکمراں کی اور آخرت میں سچے گواہ کی ہے کہ یہ اچھے کاموں کا حکم دیتے ہیں اور برے کاموں سے باز رکھتے ہیں۔

(یاد رکھو) جھوٹی باتوں میں کچھ زور اور طاقت نہیں۔ وہ نہ تو حکمت کے سامنے ٹھہر سکتی ہیں اور نہ حکمت کی تلاش میں رہنے والوں کا مقابلہ کر سکتی ہیں۔ جس طرح سایہ آفتاب کے سامنے اور رات آفتاب کی کرنوں اور اس کی روشنی کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکتی۔ انسان میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ حکمت (حکمت الٰہی) کی تہہ تک پہنچ سکے ہاں اپنے دل کی استعداد اور قابلیت کے مطابق وہ حکمت کی باتوں سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ جس طرح آدمی آفتاب کی کرنوں کی مدد سے اپنی ضرورت کی چیزوں تک راہ پاتا ہے اسی طرح حکمت کی شعاعوں کے وسیلے سے آسمانی اور زمینی چیزوں کی اہلیت و ماہیئت تک (حسب استعداد) پہنچ سکتا ہے۔ حکمت کو ایک بادشاہ سمجھو جس کا چہرہ تو آنکھوں سے اوجھل ہو مگر اس کے احکام صاف دکھائی دیتے ہوں یا آنکھیں سمجھو کہ ان کی ظاہری صورت و ہیئت تو نظر آتی ہے مگر وہ اجزائے ترکیبی نگاہوں سے پوشیدہ رہتے ہیں جن سے آنکھ میں دیکھنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے یا اس کی مثال وہ ستارے ہیں جو نظر تو سب کو آتے ہیں مگر ان کے بھید سے وہی لوگ واقف ہوتے ہیں جو علم الافلاک اور ستاروں کی ہیئت اور حقیقت سے واقف ہوتے ہیں۔

(یاد رکھو) دنیا سے بے رغبتی حکمت کی باتوں میں سب سے بڑی اور بزرگ ہے۔ یہ عمدہ خزانوں کی کنجی، اعلیٰ مکانوں کا دروازہ اور اونچے درجوں کا زینہ ہے۔ یہی وہ آب حیات کا چشمہ ہے کہ جس نے اس کا پانی پیا وہ کبھی نہیں مرے گا اور بیماریوں کی ایسی دوا ہے کہ جس کی حلق سے اتر گئی وہ قیامت تک بیمار نہیں ہو گا لیکن جو شخص اس کا اہل نہیں اور جس میں اس کو قبول کرنے کی استعداد نہیں اگر وہ اس ہتھیار سے مسلح ہو گا تو اپنے آپ ہی کو زخمی کر لے گا۔ جب اس لباس کو وہ شخص زیب تن کرے گا جس کے لئے یہ تیار

نہیں کیا گیا تو وہ ننگا ہی نظر آئے گا۔ یہ وہ نور ہے جس سے اندھا پن دور ہو جاتا ہے اور وہ روشن دلیل ہے جس کے بعد پھر کسی دوسری دلیل کی حاجت و ضرورت نہیں رہتی۔

حضرت مسیحؑ سے پوچھا گیا کہ کیا ایسا بھی ہے کہ کوئی شخص حکمت کی باتیں سن کر مان لیتا ہے لیکن ایک مدت تک ان کی طرف توجہ نہیں کرتا مگر پھر کسی وقت ان کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ حضرت مسیحؑ نے جواب دیا کہ "ہاں حکمت کے معاملے میں لوگوں کا اکثر یہی حال ہوتا ہے۔ اس کی مثال اس گڈریئے کی سی ہے جو جنگل میں بکریاں چرانے کو جایا کرتا ہے اور کبھی اس کا گذر کسی چشمے کے پاس سے ہوتا ہے اگرچہ اس چشمے پر اس کی نظر پڑتی ہے مگر اس کی طرف توجہ نہیں کرتا لیکن ایک زمانے کے بعد اسے اچانک یاد آ جاتا ہے کہ فلاں مقام پر اس نے ایک چشمہ دیکھا تھا تو وہاں جا کر اس کا منہ کھولتا اور اس کے اردگرد سے مٹی ہٹاتا اور خس و خاشاک کو دور کرتا ہے تب اس سے پانی جاری ہو جاتا ہے۔ اس پانی سے وہ خود بھی نفع اٹھاتا ہے اور دوسرے لوگ بھی فیضیاب ہوتے ہیں۔ یہی حال حکمت کی تلاش و جستجو کا ہے اور اس کی مثال بھی زمین سے پانی نکالنے کی ہے۔ حکمت کی بعض باتیں تو ایسی ہیں جو آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہیں اس لئے وہ پانی کے چشمے یا آبشار کی مثل ہیں اور بعض باتیں کسی قدر وقت کے بعد معلوم ہوتی ہیں یہ حالت اس کنویں کی طرح ہے جس کا پانی دو ایک ہاتھ نیچے ہو اور بعض باتیں بہت زیادہ وقت اور مشکل کے بعد معلوم ہوتی ہیں جن کی مثال اس گہرے اور عمیق کنویں کی مانند ہے جس کا پانی گزوں دور ہوتا ہے اور بعض باتیں نہایت ہی دقیق اور اہم ہیں جو فہم سے بالا ہیں اور یہ اس اندھے کنویں کی مانند ہیں جس میں پانی کا پتہ ہی نہیں لگتا"۔

(یہ نکتہ بھی پیش نظر رکھو کہ) اس پانی کے مراتب بھی جداگانہ اور ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ مثلاً کسی کنویں کا پانی قریب ہوتا ہے مگر میٹھا اور ٹھنڈا نہیں ہوتا اور کسی کنویں کا پانی قریب بھی ہوتا ہے اور نہایت شیریں بھی اور کسی میں دونوں باتیں (خوبیاں) نہیں ہوتیں یعنی ایک تو پانی دور بھی ہوتا ہے اور اوپر سے گدلا اور کھاری بھی اور اس کے برعکس بعض میں تینوں خوبیاں جمع ہو جاتی ہیں یعنی پانی قریب بھی ہوتا ہے شیریں بھی ہوتا

ہے اور سرد بھی۔ (صفحہ نمبر۵۰ تا صفحہ نمبر۵۵)

بادشاہ کا باغی و نافرمان سفیر

حضرت مسیحؑ اور ہندوستان کے ایک بت پرست راجہ کے درمیان گفتگو ہوتی ہے۔ راجہ جناب مسیحؑ کو بت پرستی کی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتا اور دنیا اور اس کی لذتوں کا خوگر بنانا چاہتا ہے۔ آپؑ کو طرح طرح کے لالچ دیتا اور امور مملکت میں اپنا شریک بنانے کی پیش کش کرتا ہے حتیٰ کہ اپنا ولی عہد اور جانشین بنانے کا وعدہ کرتا ہے مگر جناب مسیحؑ اس کی ہر پیش کش کو ٹھکرا دیتے ہیں اور اس کے سامنے ایک تمثیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

(اے راجہ!) میرا اور آپ کا حال اس سفیر سے مشابہ ہے جسے بادشاہ نے اپنے ایک ماتحت راجہ کے پاس ایک پیغام دے کر بھیجا' یہ دراصل ایک حکم تھا جو ماتحت راجہ کے نام جاری کیا گیا تھا۔ جب سفیر راجہ کے پاس پہنچا تو اس نے اس کی بہت عزت و تکریم کی اور اسے وہ مقام دیا جو خود بادشاہ کے دربار میں بھی اسے حاصل نہ تھا۔ اس کی خاطرمدارت کرنے کے بعد راجہ نے گفتگو شروع کی اور اس سے کہا کہ اگر تم بادشاہ کے حکم کو ملتوی رکھو اور اس کے پاس واپس جانے کی بجائے میری ملازمت اختیار کر لو تو میں تمہیں وہ عزت و مرتبہ اور انعام و اکرام دوں گا جو تمہارا آقا تمہیں ہرگز نہیں دے سکتا۔ چنانچہ سفیر لالچ میں آ گیا' اس نے راجہ کی بات مان لی اور بادشاہ کی نافرمانی اور اس سے قطع تعلق کر کے وہیں رہ پڑا۔ جب بادشاہ کو حالات کا علم ہوا اور سفیر کی غداری کا حال معلوم ہوا تو اس نے سفیر کی جائیداد ضبط کر لی' اس کے اہل و عیال اور عزیز رشتہ داروں کو قید میں ڈال دیا۔ پھر فوج کا ایک دستہ اس کی گرفتاری کے لئے روانہ کیا۔ جب بادشاہ کی فوج اور اس کا کمانڈر راجہ کے پاس پہنچے تو اس نے سفیر سے نہ صرف آنکھیں پھیر لیں بلکہ خود پکڑ کر اسے شاہی فوج کے کمانڈر کے حوالے کر دیا۔

یہ تمثیل بیان کر کے حضرت مسیحؑ نے راجہ سے کہا کہ اے راجہ! کیا میں اس سفیر کی

طرح خطرے میں نہیں ہوں۔ کیا آپ مجھے ان قاصدوں کے ہاتھ سے بچالیں گے جو اپنے حقیقی بادشاہ (رب العالمین) کی نافرمانی اور اس سے بغاوت کی صورت میں مجھے گرفتار کرنے کے لئے بھیجے جائیں گے۔ کیا آپ خود ہی مجھے ان کے سپرد نہ کردیں گے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ ہی مجھے میری اس حالت سے باہر کردیں اور مجھے پکڑوا دیں گے کیونکہ آپ جس ہیشگی اور اقتدار کا دعویٰ کرتے ہیں اس پر خود آپ کو بھی بھروسہ نہیں۔

اے راجا! میں آپ سے کیا امید رکھوں۔ آپ نے تو خدا پرست زاہدوں کو میرے پاس سے نکال دیا اور لوگوں کو حکمت کی باتیں پھیلانے سے منع کردیا ہے اس طرح آپ نے تو میری وہ حالت کردی ہے جیسے کسی شخص کو اندیشہ ہو کہ اس پر دشمن چڑھ دوڑے گا' لوٹ مار کرکے اسے تباہ و برباد کردے گا پھر واقعی دشمن اس پر حملہ آور ہو جائے اور اسے گرفتار کرکے ایسے جنگل میں چھوڑ دے جو بے راہ و بے نشان ہو' جس کا راستہ مسدود ہو بلکہ راستے کے نشان تک مٹادیئے گئے ہوں رہنما مار ڈالے گئے ہوں۔ اس جنگل میں پانی اور کھانا مفقود ہو' وہ شخص اپنی قوم اور اپنے دوستوں سے جدا کردیا گیا ہو اور درندوں میں چھوڑ دیا گیا ہو۔ آپ نے میرے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کیا مگر خدا نے مجھ پر عنایت کی' میری رہنمائی کی اور مجھے بچالیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے جو بڑا فضل و احسان کرنے والا اور سب کو نفع پہنچانے والا ہے آپ کے ساتھ بھی نہایت عمدہ سلوک کیا اور آپ کے باغ میں وہ پودا پیدا کیا (یعنی حضرت مسیحؑ کو بھیجا) جو آپ کے پاس اس خدائی نعمت کو پھر واپس لے آیا جس کی آپ نے ناقدری کی تھی اور آپ کے لئے اس دین کو زندہ کیا جسے آپ نے ناپسند کیا اور برا جانا تھا اور آپ کو حق کے بارے میں گفتگو کرنے پر آمادہ کیا مختصر یہ کہ میرے ذریعے سے آپ پر دین و معرفت کی بہت سی باتیں کھلیں (پس مناسب ہے کہ آپ مجھے قبول کرلیں۔ مرتب) (صفحہ ۱۴۰ تا ۱۴۳)

عنقا پرندے کی تمثیل

(حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں کہ عنقا نامی پرندے اور اس کے بچوں کی) تمثیل سنو! میں

نے سنا ہے کہ جب گوتم بدھ نے اپنے وطن کے لوگوں کو وہ باتیں تعلیم کردیں جو خدا تعالیٰ اس کی زبان سے لوگوں تک پہنچانا چاہتا تھا تو وہ اپنے وطن سے دنیا کی سیاحت کو نکلا اثنائے سفر میں اسے موت آگئی۔ ناگاہ ادھر سے عنقا نامی پرندے کا گذر ہوا۔ وہ اس کی لاش کو اٹھا کر اپنے بچوں کے پاس لے گیا اور اسے ان کے درمیان تقسیم کردیا۔ اس کے بچوں نے اس کے جسم کو حصہ رسدی کے مطابق کھالیا اور سب نیکوکاری' راستی' رحمدلی اور علم و حکمت کے پتلے بن گئے۔ پس جس بچے نے اس کی آنکھیں کھائی تھیں وہ دوسرے بچوں سے کہنے لگا کہ اے میرے بھائیو! کیا تمہیں بھی اپنی آنکھوں کے سامنے وہ چیزیں نظر آرہی ہیں جو مجھے نظر آرہی ہیں اور کیا تم بھی ان میں سے بری اور بھلی چیزوں میں امتیاز کررہے ہو جس طرح میں امتیاز کر رہا ہوں۔ میں تو عزت و اقتدار والے بادشاہ کو بھی دیکھنے لگا ہوں اور اس کے مقابلے میں ایک بے بس و عاجز کمینے شخص کو بھی جو بادشاہ پر حسد کرتا ہے۔

جس بچے نے گوتم بدھ کے کان کھائے تھے وہ کہنے لگا کہ میری سماعت میں عجیب تغیر آگیا ہے اور جس طرح تجھے اپنی بینائی پر تعجب ہو رہا ہے اسی طرح میں اپنی سماعت کی بنا پر ان باتوں کو سخت ناپسند کر رہا ہوں جو لوگوں کو بہت مرغوب ہیں۔ مجھے سخت تعجب ہو رہا ہے کہ لوگ غریبوں اور ناداروں کی دردناک صدائیں اور عالموں کی پر نصیحت باتوں کو چھوڑ کر ڈھول باجوں کی آوازیں کیونکر سنتے ہیں۔ جس بچے نے گوتم بدھ کی ناک کھائی تھی وہ بولا کہ تم دونوں نے جن باتوں کو ناپسند کیا وہ تو اس بات کے مقابلے میں بہت معمولی ہیں جو مجھے معلوم ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ مردار جو ہماری غذا ہے مجھے سخت قابل نفرت محسوس ہوتی ہے اور بہت ناگوار گذرتی ہے یہاں تک کہ جس درخت پر ہم بیٹھے ہیں وہ درخت بھی اس بدبو کی وجہ سے (لرزتا دکھائی دے رہا ہے) جس بچے نے گوتم بدھ کی زبان کھائی تھی وہ بولا کہ یہی کیفیت میری زبان میں پیدا ہو گئی ہے کیونکہ سچائی میں ایسی لذت اور شیرینی ہے کہ جھوٹ کی تلخی اور بدمزگی اس کے مقابلے میں سخت قابل نفرت معلوم ہو رہی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اب میں کبھی جھوٹ کا تصور بھی نہ کرسکوں گا۔

اب وہ بچہ بولا جس نے گوتم بدھ کا دل کھایا تھا اور کہنے لگا کہ جتنی باتیں تم لوگوں کو

جدا جدا حاصل ہوئی ہیں وہ سب کی سب مجھ میں مجتمع ہیں اور ان کے علاوہ کچھ خاص باتیں بھی میرے علم میں آگئی ہیں اور وہ یہ ہیں:۔

میں زندگی کو سچ سمجھنے لگا ہوں' موت کا مشتاق رہتا ہوں' عاقبت کا علم حاصل کر چکا ہوں اور جن ذریعوں سے تمہیں یہ سب باتیں معلوم ہوئی ہیں ان پر یقین رکھتا ہوں۔ اس پر سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ سچ ہے بغیر راہ نما کے راہ و منزل نہیں مل سکتی اور بلا سیکھے ادب نہیں آ سکتا اور بغیر پیشوا کے زہد کامل نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد ان سب نے اس سے جس نے گوتم بدھ کا دل کھایا تھا کہا کہ پس تجھے لازم ہے کہ تو ہمیں ان باتوں کی تعلیم دے جو ہمارے علم میں نہیں چنانچہ اس نے ان سب کو گوتم بدھ کا وہ تمام علم سکھایا جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا فرمایا تھا پس وہ سب بچے بھی اسی کی طرح صاحب علم و معرفت ہو گئے اور سب اس حقیقت پر متفق ہو گئے کہ دنیا کی لذتوں کو جو آسانی سے میسر آ جاتی ہیں چھوڑ دینا چاہئے اور آخرت کی جستجو کرنا چاہئے۔

شام کے قریب عنقا شکار لے کر آیا اور بچوں کے آگے ڈال دیا اور رات گذار کر علی الصبح روزی کی تلاش میں باہر نکل گیا۔ یہاں بچوں نے اس شکار کو آپس میں تقسیم کیا اور ہر بچہ اپنا حصہ لے کر بہت دور جنگل میں نکل گیا اور اسے پھینک کر آشیانے میں واپس آگیا۔

مدتوں تک یہ سب بچے اسی طرح کرتے اور مردار کھانے سے بچتے رہے۔ آخر رفتہ رفتہ اس کا اثر ان کے جسموں پر ظاہر ہونے لگا اور جب عنقا نے دیکھا کہ بچے روز بروز لاغر و ناتواں ہوتے جا رہے ہیں تو اس نے ان سے اس کا سبب معلوم کیا اور پوچھا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے اور تم لوگ اس قدر کمزور و ناتواں اور ہڈیوں کے ڈھانچے کیوں ہوتے چلے جا رہے ہو۔ اس پر جس بچے نے گوتم بدھ کی زبان کھائی تھی وہ بولا کہ ہم دبلے اور کمزور کیوں نہ ہوں جب سے آپ نے ہمیں بدھ کا گوشت کھلایا ہے ہم نے کوئی چیز زبان پر نہیں رکھی۔ عنقا نے پوچھا تم لوگ ایسا کیوں کرتے ہو؟ بچے نے جواب دیا کہ بدھ کا گوشت کھانے سے ہم کو وہ نیکیاں حاصل ہو گئی ہیں جن کی ہمیں تلاش تھی اور یہ نیکیاں مل جانے کے بعد مردار کھا کر ہم اپنی بدیوں اور برائیوں میں اضافہ نہیں کر سکتے۔ یہ سن کہ عنقا

نے پوچھا کہ یہ جو تم روز بروز لاغر و ناتواں ہوتے جا رہے ہو اس کا کیا کیا جائے۔ بچوں نے جواب دیا کہ اگر ہماری عاقبت درست ہو جائے اور ہمارے جسم گھل جائیں تو یہ سودا مہنگا نہیں۔ عنقا بولا کہ خبردار اب ایسی باتیں زبان پر نہ لانا ورنہ میں بہت بری طرح تمہاری خبر لوں گا۔ بچوں نے جواب دیا کہ اگر ایسی باتیں کرنا ہم پر لازم نہ بھی ہو تا تب بھی ہم بہت رغبت سے یہ باتیں اپنے اوپر لازم کر لیتے تاکہ اس طرح ہمیں رسوائی نصیب ہوتی جس میں ہمارے لئے بہت راحت ہے۔ عنقا نے پوچھا کہ مجھے بھی تو بتاؤ کہ ان باتوں میں تمہیں کون سی راحت ملتی ہے۔ بچوں نے کہا کہ ساری راحت تو اسی میں ہے کیونکہ رسوائی کے بعد بہت جلد (روحانی) نعمتیں مل جاتی ہیں۔

بچوں کی ان باتوں پر عنقا کو بہت سخت غصہ آیا اور اس نے ان باتوں کو بچوں کی سرکشی پر محمول کیا اور پنجوں سے مار مار کر ان کا بھیجا نکال دیا اس طرح ایک ایک کر کے وہ سارے کے سارے مر گئے۔ یہ دیکھ کر وہ سخت غم زدہ ہوا' اس کا دل پھٹ گیا اور خو اس نے بھی جان دیدی۔ اسی وقت سے یہ کہاوت چلی آتی ہے کہ عنقا کے بچے نہیں ہوتے (یعنی اس نام کا پرندہ اب معدوم ہو چکا ہے اسی لئے اسے عنقا کہتے ہیں۔ عنقا کے معنی ہیں جس کا وجود نہ ہو۔ مرتب) (صفحہ نمبر ۱۴۴ تا صفحہ نمبر ۱۴۶)

تشریح:۔ یہ تمثیل اس حقیقت سے پردہ اٹھاتی ہے کہ مہاتما بدھ حضرت مسیحؑ کے پیش رو اور آپؑ کے نقیب کے طور پر ہندوستان میں مبعوث ہوئے تھے اور حضرت مسیحؑ کی اس ملک میں آمد سے قبل دوران سیاحت فوت ہو گئے تھے۔ اس تمثیل نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ اس کتاب (کتاب یوز اسف و بلوہر) کی رو سے بھی حضرت مسیحؑ اور گوتم بدھ دو مختلف شخصیتیں تھیں۔ چنانچہ حضرت مسیحؑ گوتم بدھ کو خدا کا فرستادہ اور مامور قرار دے رہے ہیں۔ جو آپؑ کی آمد سے (قریباً پانچ سو سال) قبل ملک ہندوستان میں مبعوث ہوئے تھے۔

اس تمثیل میں عنقا پرندے سے وہ سچائی مراد ہے جو حضرت مسیحؑ کے زمانے میں گوتم بدھ کے ماننے والوں کے دلوں سے جاتی رہی تھی جس طرح عنقا پرندے کا نام ہی نام رہ گیا ہے اس کا وجود کہیں باقی نہیں اسی طرح حضرت مسیحؑ کے زمانے میں گوتم بدھ کے پیرو کار

حق و صداقت سے محروم ہو چکے تھے' ان کی زبان پر گوتم بدھ کا صرف نام باقی رہ گیا تھا دلوں میں اس کی تعلیم کا اثر باقی نہیں رہا تھا۔

پرندے کا گوتم بدھ کے جسم کو اٹھا لے جانا اور اپنے بچوں میں تقسیم کر دینا بھی ایک تمثیل ہے جس سے مراد یہ ہے کہ جن لوگوں نے مہاتما بدھ کے روحانی وجود سے فیض حاصل کیا ان کی آنکھیں گوتم بدھ کی آنکھیں بن گئیں' ان کی زبان گوتم بدھ کی زبان بن گئی' ان کے کان گوتم بدھ کے کان بن گئے ان کے دل گوتم بدھ کے دل بن گئے' وہ گوتم بدھ کی طرح الٰہی حکمتوں کے بارے میں سوچنے لگے اور انہی کی طرح معرفت کے اسرار و رموز کی گرہیں کھولنے لگے مگر جب گوتم بدھ کی تعلیم کا اثر دلوں سے محو ہونے لگا تو بادشاہ سے لے کر عام لوگ تک ظالم بن گئے اور باپ بھی اپنی ان اولادوں کے دشمن بن گئے جو گوتم بدھ کی تعلیم پر عمل پیرا ہونا اور زاہدانہ زندگی گذارنا چاہتی تھیں۔ حلال و حرام کی تمیز اٹھ گئی اور مردار خوری گوتم بدھ کے ماننے والوں کا شعار بن گئی ------ تب ملک ہندوستان میں حضرت مسیحؑ تشریف لائے اور ان یہودیوں کو جو بدھ مت اختیار کر کے ظالم باپ بن چکے تھے اپنی حکیمانہ تعلیم سے حق کی طرف مائل کیا۔

ایک عجیب بلکہ عجیب تر بات یہ ہے کہ جس طرح اس تمثیل میں بتایا گیا ہے کہ گوتم بدھ کا جسم کھا کر عنقا کے بچے راست باز اور پرہیز گار بن گئے بالکل اسی مضمون کی ایک تمثیل حضرت مسیحؑ نے فلسطین کے دوران قیام بیان کی تھی جو انجیل مقدس میں درج ہے۔ اس تمثیل میں آپؑ اپنے شاگردوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک تم ابن آدم (مسیحؑ) کا گوشت نہ کھاؤ اور اس کا خون نہ پیو تم میں زندگی نہیں ○ جو میرا گوشت کھاتا اور میرا خون پیتا ہے ہمیشہ کی زندگی اس کی ہے .... کیونکہ میرا گوشت فی الحقیقت کھانے کی چیز اور میرا خون فی الحقیقت پینے کی چیز ہے ○ جو میرا گوشت کھاتا اور میرا خون پیتا ہے وہ مجھ میں قائم رہتا ہے اور میں اس میں .... ○ (پس) جو مجھے کھائے گا

میرے سبب سے زندہ رہے گا"۔

(یوحنا کی انجیل باب نمبر ۶ آیت نمبر ۵۳ تا نمبر ۵۷)

یہاں حضرت مسیحؑ اپنے شاگردوں کو اپنا گوشت کھانے اور اپنا خون پینے کی دعوت دے رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ "میرا گوشت کھانے والا ابدی زندگی پالے گا"۔ ظاہر ہے کہ اس سے مراد حضرت مسیحؑ کا ظاہری جسم تو نہیں ہو سکتا نہ خدا کے نبی آدم خوری کی تعلیم دیا کرتے ہیں۔ پس تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ تمثیلی زبان ہے اور اس سے مراد حضرت مسیحؑ کے روحانی جسم یعنی آپؑ کی تعلیم سے فیض حاصل کرنا ہے۔ بالکل اسی طرح حضرت مسیحؑ نے ہندوستان تشریف لا کر جو تمثیل بیان کی تھی اس میں بھی تمثیلی عنقا کے تمثیلی بچوں نے گوتم بدھ کا حقیقی جسم نہیں کھایا تھا بلکہ ان کے روحانی جسم سے فیض حاصل کیا تھا۔ اس سے صاف طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ دونوں تمثیلیں ایک ہی شخصیت نے بیان کی تھیں اور وہ حضرت مسیحؑ تھے۔

مہاراجہ کے ہاتھوں یہودی زاہدوں کا قتل

تمثیل ہے کہ ہندوستان میں ایک بادشاہ گذرا ہے جس کا نام "جنیسر" تھا جو بدھ مت کا پیرو اور بہت ظالم حکمراں تھا۔ یہ راجہ زاہدوں اور دین داروں کا سخت دشمن تھا۔ یہ دین دار دراصل وہ یہودی تھے جو لہو و لعب' بت پرستی اور دنیا داری سے دور و نفور تھے اور سادہ اور مواحدانہ زندگی گذارتے تھے۔ اس ظالم بادشاہ نے چن چن کر انہیں قتل کروا دیا اور پھر اپنے وزیر سے دریافت کیا کہ بتاؤ کیا اب بھی ہماری حدود سلطنت میں کوئی زاہد و پارسا باقی رہ گیا ہے؟ وزیر نے جس کا نام "راکس" تھا عرض کیا کہ چند زاہد ابھی موجود ہیں جو آپ کی رعایا کو گمراہ کر کے اپنا ہم خیال بنانے میں کوشاں ہیں۔ بادشاہ اپنے اس وزیر کو ہمراہ لے کر شاہی لشکر کے ساتھ ان کی تلاش میں روانہ ہوا۔ ان میں ایک مشہور یہودی زاہد "مستوقر" نامی تھا جو معرفت میں کمال کو پہنچا ہوا تھا۔ بادشاہ کے گھوڑ سوار زاہدوں کی

تلاش میں ادھر ادھر پھر رہے تھے کہ انہیں ایک شخص نظر آیا جو زاہدوں کے گروہ کا رہنما تھا اور اس کے پیچھے پیچھے کچھ درویش آ رہے تھے۔ گھوڑ سواروں کے اس دستے نے جس کی قیادت بادشاہ کا وزیر "راکس" کر رہا تھا ان درویشوں کو گرفتار کر لیا اور جب اسے معلوم ہوا کہ ان زاہدوں کا سرگردہ دراصل "مستوقر" ہے تو اس نے مستوقر کو ڈرایا دھمکایا اور اس سے بادشاہ کے ایک باغی کا پتہ دریافت کیا جو لوگوں کو زہد اور پرہیزگاری کی تعلیم دیتا تھا "مستوقر" نے اس کا پتہ بتانے سے انکار کیا تب "راکس" (وزیر) نے یہ کہہ کر اسے خوفزدہ کرنا چاہا کہ اگر تم اس کا پتہ نہیں بتاؤ گے تو بادشاہ تمہیں قتل کروا دے گا۔ یہ سن کر زاہدوں کے اس سرگردہ نے جواب دیا کہ اس کا ڈر کسے ہے؟ تم ہمیں کون سے عیش و عشرت میں دیکھ رہے ہو جس کی وجہ سے ہمیں زندگی خوشگوار اور موت ناگوار معلوم ہو۔

یہ سن کر راکس (وزیر) نے اس زاہد اور اس کے ساتھیوں کو بادشاہ (جنیسر) کے سامنے پیش کیا۔ جس وقت "مستوقر" اور اس کے ساتھی بادشاہ کے سامنے پیش ہوئے تو ان کے گلے میں ہڈیوں کے ہار پڑے ہوئے تھے۔ بادشاہ نے "مستوقر" سے پوچھا کہ تم لوگوں نے یہ ہڈیاں کیوں پہن رکھی ہیں۔ مستوقر نے جواب دیا تاکہ یہ ہمیں موت کی یاد دلاتی رہیں اور تیرا یہ ظلم بھی یاد رہے کہ تو نے ہمارے ان دوستوں کو ہم سے ہمیشہ کے لئے صرف اس جرم میں جدا کر دیا کہ وہ تیری دنیا اور اس کے لہو و لعب میں مبتلا کیوں نہیں ہوتے تھے۔ اس کے بعد دونوں کے درمیان یہ گفتگو ہوئی:۔

بادشاہ:۔ اگر تم نے یہ ہڈیاں اس لئے پہن رکھی ہیں کہ یہ تمہارے دوستوں کی یاد دلاتی ہیں، تمہارے غم و الم کو تازہ کرتی اور اس میں اضافہ کرتی ہیں (جو تمہیں بہت محبوب ہے) تو ہم ان کی مقدار اور بڑھائے دیتے ہیں اور ان میں تمہاری ہڈیوں کا بھی اضافہ کئے دیتے ہیں۔

مستوقر:۔ (اے بادشاہ! شاید تجھے معلوم نہیں کہ) ہم تو خود اپنی ذات کے سوگ میں بیٹھے ہیں اور اپنے جن ساتھیوں کی ہڈیاں دھاگے میں پرو کر ہم نے پہن رکھی ہیں ان سے زیادہ خود ہمیں اپنا غم ہے کہ ہم ابھی تک زندہ کیوں ہیں اور تو نے جو ہمیں دھمکی دی ہے کہ ہماری ہڈیاں بھی ان میں شامل کر دے گا تو ہمیں اس کا مطلق خوف اور افسوس نہیں

اگر غم اور افسوس ہے تو اس کا کہ ابھی تک ہم تیرے ظلم کا نشانہ کیوں نہیں بن سکے۔

بادشاہ:۔ تعجب ہے کہ عقلمند ہو کر تمہیں یہ پرانی ہڈیاں ان ہڈیوں سے زیادہ موت کی یاد دلاتی ہیں جو خود تمہارے جسموں میں موجود ہیں۔

مستوقر:۔ یہ ہڈیاں موت کی یاد تازہ رکھنے میں اس لئے زیادہ موثر ہیں کہ مردوں کی ہڈیاں ہیں اور جن ہڈیوں کا تو نے ذکر کیا ہے وہ تو زندوں کی ہڈیاں ہیں اور ہر چیز اپنی مثل کو یاد دلاتی ہے نہ کہ ضد کو۔ اس کے باوجود اگر تیرے خیال میں دونوں برابر ہیں تو ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں کیونکہ اس صورت میں ہم کہیں گے کہ موت کو یاد رکھنے کا ہم نے زیادہ اہتمام کیا ہے یعنی ایک تو ہمارے بدن کی ہڈیاں اور دوسرے ہلارے مردوں کی بوسیدہ ہڈیاں۔ اس کے بعد "مستوقر" نے بادشاہ "جنیسر" سے سوال کیا کہ:۔

اس کا کیا باعث ہے کہ جو لوگ دامن جھاڑ کر دین سے الگ ہوئے اور انہوں نے اسے تیرے سپرد کر دیا ان سے تو سخت عداوت اور کینہ رکھتا ہے اور جو لوگ دنیا کی خاطر تجھ سے لڑتے مرتے ہیں ان سے ایسی دشمنی نہیں رکھتا۔

بادشاہ:۔ یہی تو اس بات کا ثبوت ہے کہ میں دنیا کو مکمل طور پر اپنے قبضہ و تصرف میں لانا نہیں چاہتا بلکہ دوسروں کو بھی اس میں سے حصہ دینا چاہتا ہوں اور میری خواہش ہے کہ میری رعایا بھی اس میں میرے ساتھ شریک رہے اور میں ترک دنیا پر لوگوں کو اس لئے سزا دیتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے کیوں لطف اندوز نہیں ہوتے۔

مستوقر:۔ (اے بادشاہ) ہرگز ایسا نہیں ہے بلکہ تیرا یہ فعل اس امر کی دلیل ہے کہ تو لوگوں کے ترک دنیا کو اس لئے ناپسند کرتا ہے کہ دنیا تیرے لئے ویران ہو جائے گی اور تیری ضرورتوں میں خلل واقع ہو گا تو دنیا کی غلامی سے ان کا آزادی حاصل کرنا اس لئے گوارا نہیں کرتا کہ وہ ہمیشہ تیرے قبضہ و تصرف میں رہیں ان کی وجہ سے تیری عزت و تکریم قائم رہے۔ تو ان کی حاجتیں پوری کرنے والا اور غنی سمجھا جائے۔ تو نے دراصل اپنی رعایا کو اپنے لئے دنیا شکار کرنے کا وسیلہ اور ذریعہ بنا رکھا ہے جس طرح شکاری لوگ

شکاری جانوروں کو پالتے ہیں انہیں مارپیٹ کر سدھاتے ہیں اور بھوکا رکھ کر شکار پر چھوڑتے ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ شکار ملے لیکن جب وہ سخت جدوجہد اور مشقت کر کے شکار پکڑ کر لاتے ہیں تو یہ ان کے منہ سے چھین لیتے ہیں۔

اسی طرح تو بھی رعایا کو اس لئے زندہ رکھتا اور کچھ تھوڑا سا آرام پہنچاتا ہے تاکہ وہ تیرے لئے دن رات محنت و مشقت کرے اور پھر تو ان کے منہ کا نوالہ چھین لے اور عیش و آرام کی زندگی گذارے پس تو ان کا دوست نہیں بلکہ اپنے مطلب کا یار اور خود غرض ہے۔

بادشاہ:۔ (بات بدلتے ہوئے) اچھا یہ بتاؤ کہ تم لوگوں میں سے کوئی کسی پر بالادستی بھی رکھتا ہے۔

مستوقر:۔ نہیں (اے بادشاہ!) ہم میں سے کسی کو دوسرے پر کوئی بالادستی حاصل نہیں خود میں بھی اپنے ساتھیوں پر کوئی فضیلت نہیں رکھتا۔ یہ بزرگیاں، فضیلتیں اور بالادستیاں تیرے اور تیرے مصاحبوں کے لئے ہیں جو دنیادار ہیں۔ ہمارا تو یہ حال ہے کہ ہم میں سے کوئی متنفس دوسرے سے امارت، عزت اور شرافت میں بالا نہیں اور نہ ہم میں سے کوئی شخص غربت و ناداری کی وجہ سے دوسرے سے کمتر اور حقیر ہے۔

اس کے بعد بادشاہ نے حکم دیا کہ ان سب کے ہاتھ پیر کاٹ دیئے جائیں اور آنکھیں نکال دی جائیں۔ چنانچہ حکم کی تعمیل ہوئی تھوڑی دیر میں ان سب کے کٹے ہوئے اعضا تڑپ رہے تھے اور آگ کے شعلوں سے ان کی آنکھوں کو جلایا جا رہا تھا۔ (صفحہ نمبر ۱۲۰ تا صفحہ نمبر ۱۲۴)

حضرت مسیحؑ کی زخمی زاہدوں سے ملاقات

جب بادشاہ اور اس کے لشکری ان اعضا بریدہ زاہدوں کے پاس سے چلے گئے تو حضرت مسیحؑ کا ادھر سے گذر ہوا آپؑ نے ان پاکباز لوگوں کو جب اس حالت میں دیکھا تو پہچان لیا کہ یہ تو آپؑ کے قبیلے کے لوگ ہیں۔ جناب مسیحؑ ان کے پاس تشریف لے گئے مگر اس وقت تک ان میں سے صرف تین زاہد زندہ تھے باقی سب فوت ہو چکے تھے۔ ان تینوں

کی حالت بھی بہت نازک تھی اور چند سانسوں کے مہمان لگ رہے تھے۔ حضرت مسیحؑ ان کی حالت زار دیکھ کر زار و قطار رونے لگے۔ ان تین زاہدوں میں "مستوقر" بھی شامل تھا جس نے بادشاہ سے بہت بیباکانہ گفتگو کی تھی۔ حضرت مسیحؑ کی گریہ و زاری کی آوازیں سن کر مستوقر یوں گویا ہوا کہ اے ہمارے حال پر رونے والے! اگر تیرا رونا سوچ سمجھ کر اور حقیقت سے واقف ہو جانے کے بعد ہے تو تجھ پر آفریں ہے اور اگر یہ صرف دنیاوی حد تک ہے تو ان خاک آلود لاشوں، کٹے ہوئے اعضا اور جلی ہوئی اندھی آنکھوں میں تیرے لئے یہ درس موجود ہے کہ ان جسموں کو عذاب دینے والا روحوں کو عذاب دینے پر قادر نہ ہو سکا صرف اتنا ہوا کہ یہ فانی جسم جو دنیا کے بالادست حکمرانوں کی غلامی کرنے اور ذلت برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے کچھ دیر تکلیف میں مبتلا رہے پھر ان کی روحیں اپنے مالک حقیقی کے پاس چلی گئیں جو دلوں کی چھپی ہوئی باتیں جانتا ہے اور اب یہ روحیں اپنے رب کی رحمت کی امید میں آرام کی زندگی گذار رہی ہیں۔ اس کے بعد مستوقر نے حضرت مسیحؑ سے پوچھا کہ اے ہمارے حال پر رونے والے مجھے بتا تو کون ہے؟

حضرت مسیحؑ: میں آزادوں کی نسل میں سے ہوں (یہ اشارہ ہے بنی اسرائیل کی طرف جنہیں حضرت موسیٰؑ کے ہاتھوں فرعون کی غلامی سے آزادی نصیب ہوئی تھی (مرتب) میں اپنے کنبے (وطن) میں صاحب عظمت و عزت تھا کہ کم عمری میں دشمنوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا (یعنی ان کے نرغے میں پھنس گیا) میرے یہ دشمن ہمارے مقابلے میں (یعنی میرے اور میرے حواریوں کے مقابلے میں) نہایت ظالم، سخت گیر حکمراں اور جابر سردار تھے ان لوگوں نے مجھ میں مردار کھانے اور ناپاک خون پینے کی عادت ڈالنی چاہی اور اسی سے میری پرورش کرنی چاہی کیونکہ اس ملک کی یہی غذا تھی۔ انہوں نے کوشش کی کہ میں بھی اس کا عادی ہو جاؤں۔ جب میں پوری طرح (روحانی طور پر) جوان ہو گیا تو وہ انواع و اقسام کے جانور مثلاً بھیڑئے، بندر اور سور جن سے وہ مادہ کا کام لیتے تھے میرے پاس لائے اور مجھے ان کے ساتھ مجامعت و مباشرت پر مجبور کیا (یہ سب تمثیلات ہیں۔ مرتب) مگر میں انہیں دیکھ کر ایسا ڈرا کہ میرا خون خشک ہو گیا۔ تب میں نے ان سے کہا کہ مجھے اس کام سے

معاف رکھو مگر جب میں نے ان کی خواہش پوری کرنے میں دیر کی تو ان لوگوں نے مجھ پر سخت عذاب کیا (اشارہ ہے واقعہ ء صلیب کی طرف۔ مرتب) مگر میرا یہ حال تھا کہ اپنے لوگوں سے ملنے کا شوق انتہا کو پہنچا ہوا تھا (یہ بنی اسرائیل کی گم شدہ بھیڑوں (قبائل) کی تلاش میں جانے کی طرف اشارہ ہے) اس کے بعد حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں کہ آخر کار میں وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔

حضرت مسیحؑ کی تقریر سن کر زاہدوں کے سردار "مستوقر" نے آپؑ کو خوشخبری دی کہ "اے شہزادے! تجھے بشارت ہو کہ خدائی دین کو عزت دینے اور اس کے ماننے والوں کی تعداد بڑھانے میں اللہ تعالیٰ نے تجھے کامل دستگاہ اور بڑی عقل و تدبیر عطا کی ہے پس تو خدا کی تائید و نصرت سے (لوگوں کا) پیشوا اور اس کے اولیا کا مقتدا (یعنی پیغمبر) ہے تو اطمینان رکھ کہ خدا تیری خطاؤں کو معاف کردے گا اور تیرے بوجھ کو ہلکا کردے گا۔ (صفحہ نمبر ۱۴۷ تا نمبر ۱۵۹)

اس پر حضرت مسیحؑ نے خدا کا شکر ادا کیا اور سجدے میں گر پڑے۔ اس کے بعد پر نم آنکھیں لئے سجدے سے سر اٹھایا اور "مستوقر" کے پاس گئے اس کی بغلوں میں ہاتھ دے کر زمین سے اٹھایا اور اپنے سینے کا تکیہ لگا کر اسے بٹھایا' اس کے سر' دونوں آنکھوں اور رخساروں کو بوسہ دیا پھر آہستہ سے اسے زمین پر لٹا دیا۔ محبت و شفقت کا یہی سلوک اس کے دونوں ساتھیوں سے کیا۔ اس کے بعد حضرت مسیحؑ نے مستوقر سے پوچھا کہ اگر میرے لائق کوئی خدمت ہو تو مجھے بتائیے۔ مستوقر نے جواب دیا کہ ہم تینوں چند ساعتوں کے مہمان ہیں پس میں آپ کو وصیت کرتا ہوں کہ جب ہماری روحیں جسموں سے پرواز کر جائیں تو انہیں خوب صاف کر دینا (غسل دے دینا) اور خوشبو اور عطریات میں بسا کر اچھے کپڑے پہنا دینا (پاک و صاف کفن کی طرف اشارہ ہے۔ مرتب) پھر انہیں کسی پہاڑ کی کھوہ یا غار میں رکھ کر اس کا منہ مٹی سے بند کر دینا۔ اس کے بعد زاہدوں کے سردار "مستوقر" نے حضرت مسیحؑ کو دعا دیتے ہوئے کہا کہ اب آپ کے لئے کوئی درجہ و مرتبہ باقی نہیں رہا جسے حاصل کرنے کی میں آپ کو ترغیب دوں (گویا سب سے بلند و روحانی مقام پر آپ فائز

ہو چکے ہیں یعنی مقام نبوت۔ مرتب) پس آپ کو لازم ہے کہ' نرمی' رحم دلی اور دوستانہ جذبے کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیں تاکہ خدا آپ کے ذریعے سے اس کام کو پورا کرے جس کے لئے اس نے آپ کو دنیا میں بھیجا ہے یعنی اس سرزمین (ملک) میں جہاں شیطان نے بہت مضبوطی سے اپنے قدم جما لئے ہیں اور غلبہ حاصل کر لیا ہے مگر اب شیطان کی ہلاکت کا وقت اور آپ کے ہاتھوں اس کے مغلوب ہونے کا زمانہ بہت قریب آگیا ہے۔

اس کے بعد تینوں زاہدوں کی روحیں ان کے قفس ہائے عنصری سے پرواز کر گئیں۔ حضرت مسیحؑ نے ان کی وصیت پر عمل کیا اور ان کی لاشیں قریب واقع ایک غار میں دفن کر کے ان پر نماز پڑھی (دعا کی) اس وقت دن آخر ہو گیا تھا۔ (صفحہ نمبر ۱۵۹ تا نمبر ۱۶۷)

تشریح:۔ "صحیفہ یوز آسف" کے اس سارے بیان پر گہری نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ "مستوقر" اور اس کے ساتھی نیک دل یہودی تھے جو ہندوستان کے ایک بت پرست راجہ کے ہاتھوں سخت تکلیفیں اٹھا رہے تھے حتیٰ کہ اسی کے انسانیت سوز اور سفاکانہ مظالم کا شکار ہو کر موت کی آغوش میں چلے گئے۔ یہ لوگ خاص طور پر ان کا سردار "مستوقر" صاحب بصیرت اور روشن ضمیر ولی تھا جس پر شاید بذریعہ الہام حضرت مسیحؑ کا مقام و مرتبہ ظاہر کر دیا گیا تھا چنانچہ اس نے تصدیق کر دی تھی کہ جناب مسیحؑ خدا کے نبی و رسول ہیں اور اس نے آپؑ کو کامیابی کی بشارت بھی دی تھی۔

"صحیفہ یوز آسف" کے اس بیان میں حضرت مسیحؑ کی تقریر خاص طور پر قابل توجہ اور غور طلب ہے جس میں آپؑ نے استعارات اور تمثیلوں کے رنگ میں فلسطین میں آباد یہودیوں اور ان کے علماء و اکابر کی ناپاک عادات و حرکات اور بدکرداریوں کی تصویر کھینچی ہے اور اپنے وطن سے بچ نکل کر ہندوستان آنے کا تذکرہ کیا ہے۔ خود ہندوستان میں آباد یہودی زاہدوں کے سردار اور ولی کامل (مستوقر) نے بھی آپؑ کی ہندوستان میں آمد کی طرف یہ کہہ کر اشارہ کیا کہ:۔

"اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سرزمین (ملک ہند) پر جہاں کے لوگ شیطان سے مغلوب ہو چکے ہیں اس لئے بھیجا ہے تاکہ آپ کے ذریعے سے دین حق کو غلبہ حاصل ہو اور

(بلاشبہ) اب آپ (جناب مسیحؑ) کے ہاتھوں سرزمین ہند پر شیطانوں کے مغلوب ہونے کا وقت قریب آچکا ہے۔" (مرتکب)

نیت کا ثمر

ایک تمثیل سنو! ایک نیک دل رئیس کسی صحرا سے گزر رہا تھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ تارک الدنیا زاہدوں کا ایک گروہ قیامت کی گرمی میں تپتے ہوئے صحرا پر بھوک اور پیاس کی شدت سے نڈھال پڑا ہے۔ رئیس کو ان کے حال پر ترس آیا۔ وہ ان کے پاس گیا اور انہیں دعوت دی کی میرے ساتھ چلو اور میرے دستر خوان کو عزت دو۔ غرض بڑی منت سماجت کے بعد وہ انہیں اپنے گھر لے گیا۔ ان کے لئے قیمتی قالین بچھوائے اپنے پالتو جانور ذبح کروائے انواع و اقسام کے لذیذ کھانے پکوائے' انہیں قیمتی اور نہایت خوش نما برتنوں میں بڑے سلیقے اور قرینے سے چنوایا۔ سونے چاندی کی صراحیاں (اس زمانے کے دستور کے مطابق) قسم قسم کی قیمتی شرابوں سے بھروا کر ان کے سامنے رکھوائیں اور مطمئن ہو کر اپنی حویلی میں چلا گیا کہ یہ لوگ بہت رغبت سے اس کی دعوت سے لطف اندوز ہوں گے مگر ان درویشوں کی نگاہ میں یہ مہمانی نہ تھی بلکہ نفس انسانی کی خواہش کی تکمیل کا سامان تھا اور دنیا کی طرف راغب کرنے کا حربہ ء شیطان۔

اب سنو! اس رئیس کا ہمسایہ اس سے جلتا تھا اور سخت دشمنی و عداوت رکھتا تھا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ اس کے ہمسایہ رئیس نے زاہدوں کی ایک جماعت کو اپنے گھر مدعو کیا ہے اور ان کی نہایت پر تکلف دعوت کی ہے تو وہ ان زاہدوں سے ملنے کے بہانے اس کی حویلی میں آیا اور جب اس نے دعوت کے یہ شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ دیکھے تو اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

آخر اس نے کسی ترکیب سے اپنے ملازموں کے ذریعے اس شاہانہ دعوت کا سارا سامان وہاں سے اٹھوا دیا اور بوریئے منگوا کر بچھوا دیئے سادی روٹیاں اور ساگ پات کا سالن مٹی کے برتنوں میں لاکر ان زاہدوں کے سامنے رکھ دیا۔ اس کے بعد ان فقیروں سے کہنے لگا کہ آپ کے میزبان نے آپ کے ساتھ اس سے پہلے جو سلوک کیا تھا وہ آپ جیسے تارک الدنیا اور خدا رسیدہ لوگوں کے شایان شان نہ تھا اس لئے وہ اپنے اس سلوک پر بہت پچھتایا اس لئے اس نے پہلے والے لذیذ کھانے اور سونے چاندی کے ظروف واپس منگوا لئے اور یہ چیزیں بھیج دیں جو آپ دیکھ رہے ہیں۔ رئیس میزبان کے اس حاسد پڑوسی نے یہ فقرے اس لئے چست کئے تاکہ زاہدوں کو اپنے میزبان کا یہ سلوک ناگوار گذرے اور وہ اس کے بارے میں سخت کلمات کہیں جنہیں سن کر اس حاسد پڑوسی کا دل ٹھنڈا ہو مگر زاہد تو نیک دل اور خدا رسیدہ لوگ تھے جو محض اللہ کی رضا کے لئے دنیا اور اس کی لذتوں سے دست کش ہو چکے تھے انہیں یہ بات بری نہیں لگی اور انہوں نے خیال کیا کہ واقعی ان کے میزبان کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے اور اس نے شراب و کباب سے آراستہ یہ دستر خوان اٹھوا کر ان کے حسب مرتبہ سادہ غذائیں ان کے سامنے رکھی ہیں چنانچہ وہ بہت خوش ہوئے اور اپنے میزبان کا شکریہ ادا کر کے یہ سادہ روٹیاں اور ساگ پات خوشی خوشی کھا کر اور آسودہ ہو کر سو گئے۔

جب صبح ہوئی اور میزبان رئیس کو جو اپنی دوسری حویلی میں تھا اپنے حاسد پڑوسی کی اس حرکت کا علم ہوا تو اسے سخت ندامت ہوئی اور وہ خوف و ہراس کی حالت میں اپنے مہمانوں کے پاس آیا اور ان سے بہت ہی عاجزانہ معذرت کی۔ اس نے انھیں بتایا کہ "میرا ہمسایہ مجھ سے پرخاش رکھتا ہے اور اس نے یہ حرکت مجھے آپ کے سامنے ذلیل و رسوا کرنے کی غرض سے کی ہے آپ مجھے معاف کر دیں"۔ یہ سن کر زاہدوں نے کہا کہ جس امر کی آپ ہم سے معذرت کرتے ہیں اس سے بہتر ہمارے آرام کی اور کوئی صورت نہیں ہو سکتی تھی۔ اگر آپ کا دشمن نہ آتا تو ہم ساری رات بھوکے پیاسے ہی رہتے۔ لیکن چونکہ آپ کی نیت ہماری تعظیم و تکریم کرنے کی تھی اس لئے آپ کے دشمن نے ساگ پات کھلا کر ہمیں جو راحت و آرام پہنچایا اس کا ثواب آپ کو مل گیا اور چونکہ آپ کے ہمسایہ دشمن کی نیت ہمارے ساتھ برائی کرنے اور آپ کو بدنام کرنے کی تھی اس لئے اس کا سارا گناہ اس کے نامہ اعمال میں لکھا گیا۔ (صفحہ ۱۴۴ تا نمبر ۱۴۶)

تشریح: اس تمثیل کے ذریعے حضرت مسیحؑ نے ایک بہت لطیف اور روحانی نکتے کی نہایت دلکش انداز سے وضاحت فرمائی ہے۔ وہ نکتہ یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کے اعمال کا پھل اس کی نیت کے مطابق ملتا ہے۔ رئیس نے اپنے مہمانوں کی تواضع اگرچہ ان کے شایان شان نہیں کی تھی یعنی اللہ کے نیک اور خدا رسیدہ بندوں کے سامنے سونے چاندی کے ظروف میں انواع و اقسام کے مرغن و لذیذ اور پر تکلف کھانوں اور آخر میں مئے و مینا کا اہتمام کیا تھا جن سے زاہدوں کو قطعاً رغبت نہیں ہوتی مگر چونکہ وہ ان کے حقیقی مقام و مرتبہ سے ناواقف تھا اور اس سے اس کی نیت اپنے مہمانوں کی بھوک پیاس اور تھکان دور کرنے اور انہیں زیادہ سے زیادہ راحت و آرام پہنچانے کی تھی اس لئے اسے اس کا ثواب مل گیا۔ دوسری طرف اس کے ہمسایہ دشمن کی نیت اسے ذلیل کرنے اور اس کے مہمانوں کی زبان سے اس کے حق میں سخت اور دل آزار الفاظ کہلوانے کی تھی اس لئے اگرچہ اس نے زاہدوں کے شایان شان دعوت کی تھی مگر اس کی دعوت بارگاہ الٰہی میں قبول نہیں ہوئی بلکہ الٹا اس کا نامہ اعمال سیاہ ہوا اور اس کا ثواب اس نیک دل رئیس کے نامہ اعمال میں لکھا گیا۔ اس واقعے کے چھ سو سال کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرما کر حضرت مسیحؑ کے اس خیال کی تصدیق فرما دی کہ:۔

انما الاعمال بالنیات (بخاری جلد اول حدیث نمبر ۱)

کہ انسان کے تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

ایک غور طلب بات یہ ہے کہ اس تمثیل کے معاً بعد اس دور کا ایک اسرائیلی ولی "مستوقر" حضرت مسیحؑ کو بشارت دیتا ہے کہ:۔

"خدا تیرے ذریعے سے اس کام کو پورا کرے گا جس کے لئے اس نے تجھے اس سرزمین (ہندوستان) پر بھیجا ہے جہاں شیطان نے اپنے قدم جما لئے ہیں۔

پس اس سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ یہ تمثیل بیان کرنے والے حضرت مسیحؑ ہی تھے۔ (مرتب)

عابدہ اور تائبہ

ملک ہند میں ایک بادشاہ گذرا ہے جس کا معمول تھا کہ وہ نصف شب گذرے اپنے وزیر کو ساتھ لیتا اور بھیس بدل کر شہر کا گشت لگاتا، مقصد یہ تھا کہ اسے ان لوگوں کے حالات و مشکلات کی بھی اطلاع ہو جائے جو اس تک نہیں پہنچ سکتے تاکہ وہ ان کی دادرسی کر سکے۔ ایک روز وہ اسی طرح گشت لگا رہا تھا کہ اس کا گذر چند ایسے لوگوں پر سے ہوا جو ایک دوسرے کو گالیاں دے رہے تھے۔ بادشاہ سلام کر کے ان کے پاس بیٹھ گیا اور ان کی باتیں سننے لگا۔ اس وقت دو آدمی ایک دوسرے سے جھگڑ رہے تھے اور ان میں سے ایک شخص دوسرے پر برتری جتا کر خود کو صاحب عزت اور دوسرے کو حقیر ظاہر کر رہا تھا۔ ایک شخص، دوسرے کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ تو تو خود کنگال اور دانے دانے کو محتاج ہے، مجھے کیا غربت کا طعنہ دیتا ہے۔ دولت اور غربت دونوں آنی جانی چیزیں ہیں ان کی حیثیت ہی کیا ہے اور میری یہ غربت تو صرف اس وقت تک ہے جب تک میرے بادشاہ کو میری تنگ دستی کا علم نہیں ہو جاتا ادھر اس کے کانوں تک خبر پہنچی اور ادھر دور ہوئی۔ تو اپنی فکر کر کہ تجھ میں تو وہ ایسے بھیانک اور انتہائی قابل نفرت عیب ہیں جن کا دور کرنا اور تیرے دامن کے ان داغوں کو دھونا تو بادشاہ کے اختیار میں بھی نہیں۔ اس دوسرے شخص نے پوچھا کہ میرے وہ کون سے عیب ہیں جن کی طرف تو اشارہ کر رہا ہے۔ پہلے شخص نے جواب دیا کہ وہ عیب یہ ہیں کہ تیری بہن بدکار اور تیری ماں جادوگرنی ہے۔ یہ سن کر وہ شخص زار و قطار رونے لگا۔ لوگوں نے رونے کی وجہ پوچھی تو اس نے جواب دیا کہ میں اس لئے رو رہا ہوں کہ اس شخص نے مجھ پر جو عیب لگایا ہے وہ سچ ہے اور اس کا عیب واقعی بادشاہ کے بس اور اختیار کا ہے یعنی وہ باآسانی اس کی غربت دور کر کے اسے مالامال کر سکتا ہے مگر میرے دامن کے یہ داغ تو بادشاہ بھی نہیں دھو سکتا، نہ میں اس داغ کو دھو سکتا ہوں اور نہ اپنے دامن کو اس سے پاک کر سکتا ہوں اور نہ اس کی موجودگی میں کسی کو منہ دکھا سکتا ہوں۔

جب بادشاہ نے اس کی یہ باتیں سنیں تو اس کے دل کو سخت دکھ ہوا اور وہاں سے اٹھ

کر اپنے محل میں چلا آیا۔ صبح اٹھ کر اس نے دونوں کو دربار میں طلب کیا۔ ان میں سے ایک کو تو جو مفلس و نادار تھا مالدار بنا دیا اور دوسرے شخص کی بہن اور ماں کو (خلوت میں لے جا کر) نصیحت کی اور ان سے توبہ کرا کر ان کے لئے اپنا وہ خاص ہاتھی منگوایا جس پر اس کی بیگمات اور شہزادیاں سوار ہوا کرتی تھیں۔ ان دونوں ماں بیٹی کو اس کے ہودج میں بٹھایا اور سارے شہر میں منادی کرا دی کہ آج سے بڑھیا تو بادشاہ کی ماں ہے اور اس کا نام "عابدہ" ہے اور لڑکی بادشاہ کی بہن ہے اور اس کا نام "تائبہ" ہے آج کے بعد جو شخص ان دونوں کو ان ناموں کے علاوہ کسی اور نام سے پکارے گا وہ بادشاہ کی بے ادبی کرے گا (اور اس کے غیظ و غضب کو دعوت دے گا) وہ خود کو سخت ترین سزا کا مستوجب بنائے گا۔ اس طرح اس شخص کی نہایت عزت افزائی ہوئی' اس کی ماں ہندوستان کی بزرگ ترین عورتوں میں شمار ہونے لگی اور اس کی بہن سے بڑے بڑے بادشاہوں نے نکاح کی درخوات کی
(صفحہ ۱۷۹ تا ۱۸۱)

تشریح:- حضرت مسیحؑ اس تمثیل کے رنگ میں روحانیت کے ایک لطیف ترین نکتہ کی تفسیر فرما رہے ہیں جو یہ ہے کہ دنیاوی بادشاہ اپنی رعایا کو زر و جواہر سے تو مالا مال کر سکتے ہیں مگر ان کے خزانے روحانی دولت سے خالی ہوتے ہیں لیکن ان سب بادشاہوں پر ایک سب سے بڑا بادشاہ اور احکم الحاکمین بھی ہے جس کے پاس زر و جواہر کے لامحدود خزانوں کے علاوہ وہ روحانی دولت بھی ہے جسے پا کر شیطان ولی بن سکتا ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے بدترین سے بدترین عیب اور سنگین سے سنگین ترین گناہ سے پاک کر سکتا ہے اور جب خدا کسی کو معاف کر دے تو وہ بچہء نوزائیدہ کی طرح ہو جاتا ہے جس پر فرشتے بھی رشک کرنے لگتے ہیں اور پھر وہ اللہ تعالیٰ کے مقربین خاص میں شامل ہو جاتا ہے اس لئے انسان کو کسی بھی حالت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔
(مرتب)

زخمی نوجوان کی کہانی

ایک بادشاہ گذرا ہے جس کا نام "تلذین" تھا۔ ایک روز وہ اپنے لشکر کے ساتھ شکار کھیلنے کی غرض سے روانہ ہوا۔ اتفاق کی بات کہ ایک دن لشکر سے بچھڑ گیا' کئی دن تک حیران و سرگرداں پھرتا رہا۔ مگر اسے جنگل سے نکلنے کا راستہ نہ مل سکا اس پر مزید مصیبت یہ آئی کہ بیچارے کا گھوڑا بھی مر گیا۔ آخر پیدل سفر کرنے لگا۔ چلتے چلتے ساحل سمندر پر آ نکلا دیکھا کہ سامنے ایک وسیع میدان ہے اور اس میں ایک تناور درخت کی جڑ کے پاس سے کسی کی آہ و زاری کی آواز آ رہی ہے۔ بادشاہ اس آواز کی سیدھ پر چل دیا جب قریب آیا تو دیکھا کہ ایک نوجوان زمین پر پڑا ہوا ہے سارا بدن زخموں سے چور ہو رہا ہے' جاں کنی کی حالت طاری ہے گویا اب مرا کہ تب مرا۔ بادشاہ "تلذین" نے بہت شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور اس سے پوچھا کہ تجھ پر کیا قیامت گذر گئی؟

زخمی نوجوان نے جواب دیا کہ ہم لوگ اس علاقے میں بہت عزت اور خوشحالی کی زندگی گذار رہے تھے' ہمارے پاس بہت مال و اسباب اور سامان معیشت تھا کہ اچانک ہمارے دشمن نے ہم پر حملہ کر دیا' اس نے ہمارے قبیلے کے لوگوں کو قتل کیا جو بچ گئے انہیں گرفتار کر کے اور ہمارا سارا مال و اسباب لوٹ کر چلے گئے۔ میری ماں بہت ہی بوڑھی اور کمزور ہے' اس کی دو ہی اولادیں تھیں ایک میں اور دوسرا میرا بھائی۔ جس روز میرے خویش و اقارب قتل ہوئے اس روز میرا بھائی بھی مارا گیا صرف میں اور میری ماں بچ گئے۔ جب دشمن چلا گیا تو میں نے اپنی ماں کے ساتھ مل کر اپنے مکان کے قریب ہی اپنے مرحوم بھائی کو دفن کر دیا اور میری ماں صبح و شام اپنے بیٹے کی قبر پر بیٹھ کر رونے لگی یہاں تک کہ روتے روتے اس کی آنکھیں بھی جاتی رہیں اس کے بعد اس کا دل دنیا سے اس قدر سرد ہو گیا کہ اپنا سارا مال و اسباب لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ پھر مجھ سے مخاطب ہو کر بولی کہ میں نے تجھے نو مہینے پیٹ میں رکھا اور دو سال دودھ پلایا' تجھے پالا پوسا اور نوجوان کیا' میں تجھے اپنے اس حق کا واسطہ دیتی ہوں کہ جب تک میں زندہ ہوں تو مجھے چھوڑ کر یہاں سے نہ جانا

اور اگر تو چلا گیا تو میں یہاں سے نہیں جاؤں گی تاوقتیکہ مجھے موت نہ آ جائے اور میری قبر بھی میرے بیٹے کے پہلو میں نہ بنا دی جائے۔ اپنی ماں کی خواہش کے احترام اور اس کا مجھ پر جو حق ہے اس کی خاطر اس روز سے میں اسی جگہ مقیم تھا۔ آس پاس کے درختوں سے پھل توڑ کر لاتا اور اپنی ماں کو کھلاتا۔ سال کے آخر میں جنگل کی جڑی بوٹیاں جمع کرتا اور عطاروں کے پاس فروخت کر کے اپنے اور اپنی ماں کے لئے کپڑا وغیرہ لے آتا۔ ہر روز صبح و شام اس کا ہاتھ پکڑ کر بھائی کی قبر پر لے جاتا اور جب وہ رو پیٹ چکتی تو واپس اس کی قیام گاہ پر پہنچا دیتا۔

زخمی نوجوان نے بیان کیا کہ آج لوگوں کا ایک گروہ یہاں آیا، میں نے انہیں مسافر خیال کیا اور ان کی طرف بڑھا مگر وہ ڈاکو اور لٹیرے نکلے۔ انہوں نے مجھے گرفتار کر لیا اور غلام بنانے کی خاطر مجھے اپنے ساتھ لے جانے لگے مگر مجھے اپنی بوڑھی اور اندھی ماں کا خیال تھا اس لئے میں نے مزاحمت کی اس پر انہوں نے غضبناک ہو کر مجھے اتنا مارا جس کی وجہ سے میرا یہ حال ہو گیا کہ قریب المرگ ہوں۔ اس وقت مجھے دو موتوں کا سامنا ہے ایک تو جسمانی موت جو آئی کھڑی ہے، اپنے بعد اپنی ماں کی حالت زار کا احساس کر کے دل و دماغ پر جو موت وارد ہو رہی ہے وہ بھی جسمانی موت سے کم نہیں۔

بادشاہ "تلذین" نے زخمی نوجوان سے پوچھا کہ تمہاری ماں کہاں اور یہاں سے کتنی دور ہے۔ نوجوان نے جواب دیا کہ سامنے جو پہاڑ ہے اسی پہاڑ کے دامن میں رہتی ہے۔ بادشاہ نے اس سے کہا کہ اگر تمہیں کوئی ایسا شخص مل جائے جو تمہاری ماں کی بالکل اسی طرح خدمت کرے اور اسی طرح آرام پہنچائے جس طرح تم پہنچاتے تھے تو کیا تمہاری موت کی تکلیف میں کمی ہو جائے گی۔ قریب المرگ نوجوان نے جواب دیا کہ اگر ایسا ہو جائے تو مجھے موت سے کچھ باک نہیں اور میں بہت سکون سے جان دوں گا۔ یہ سن کر بادشاہ بولا کہ اچھا تو پھر سنو وہ شخص میں ہوں۔ اب مجھے بتاؤ کہ میں کس طرح تمہاری ماں کی خدمت کروں کہ نہ تو اسے تمہاری موت کا علم ہو اور نہ اس کی خدمت گزاری میں کوئی کمی یا نقص واقع ہو۔ نوجوان نے بادشاہ کو سب کچھ سمجھا دیا اور پھر اس کی روح قفس

عنصری سے پرواز کر گئی۔ بادشاہ "تلذین" نے گڑھا کھود کر قریب ہی اسے دفن کر دیا۔ آس پاس کے درختوں سے اس نے بڑھیا کے لئے کچھ پھل توڑے اور اس کا مکان تلاش کرتا ہوا اس کے پاس پہنچ گیا۔ پیروں کی آہٹ سن کر بڑھیا نے بادشاہ کو اپنا بیٹا سمجھ کر دعائیں دیں۔ بادشاہ "تلذین" اس کا ہاتھ پکڑ کر بیٹے کی قبر کے پاس لے گیا۔ معمول کے مطابق اس نے قبر کے پاس بیٹھ کر نالہ و شیون کیا جب وہ رو پیٹ چکی تو بادشاہ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اس کی قیام گاہ پر لے آیا اس کے آگے پھل رکھے، خواہش کے مطابق پھل کھا کر دعائیں دیتی ہوئی بڑھیا سو گئی۔ صبح اٹھ کر بڑھیا نے حسب معمول پھر اسے دعائیں دیں اور بادشاہ پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کے بیٹے کی قبر پر لے گیا۔

مختصر یہ کہ بادشاہ "تلذین" کم و بیش چودہ سال تک صبر و شکر اور وفا و کرم کے ساتھ اس بڑھیا کی خدمت کرتا رہا اور اسے محسوس تک نہ ہونے دیا کہ یہ اس کا بیٹا نہیں بلکہ کوئی اور ہے۔ آخر ایک دن اس نے بھی آنکھیں موند لیں۔ بادشاہ نے اسے اس کے بیٹے کے پہلو میں دفن کر دیا اور وہاں سے پاپیادہ سفر کرتا ہوا اپنے ملک کی طرف روانہ ہوا۔ ادھر اس کی فوج کے لوگ اور اعیان سلطنت اسے تلاش کر کے جب ناامید ہو گئے تو انہوں نے اس کے بیٹے "فلنطین" کو تخت نشین کر دیا۔ جب "تلذین" اپنے دارالسلطنت میں داخل ہوا تو دھوپ میں پھرتے پھرتے اس کے چہرے کا رنگ سیاہ پڑ گیا تھا اور جنگل بیابان میں رہنے کی وجہ سے تکلیفیں اٹھاتے اٹھاتے اس کا جسم نہایت لاغر ہو گیا تھا۔ اس کا بیٹا "فلنطین" اسے دیکھتے ہی قدموں میں گر پڑا اور گلے لگ کر خوب رویا۔ اسے نہلا دھلا کر، شاہی لباس زیب تن کرایا اور تاج شاہی سر پر رکھ کر "فلنطین" خود الگ ہو گیا۔ اس کے بعد "تلذین" نے بیس سال تک حکومت کی۔ اس کی عدم موجودگی میں اس کے بارے میں طرح طرح کی کہانیاں مشہور ہو گئیں جن میں سے ایک یہ تھی کہ اسے پریاں اٹھا لے گئی تھیں۔ بادشاہ کو بھی ان کہانیوں کا علم ہو چکا تھا مگر اس نے اصل حالات کسی کو نہ بتائے کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اپنی نفس کشی اور خدمت انسانیت کا لوگوں میں اعلان کرے اس طرح وہ اپنا ثواب ضائع کرنا نہیں چاہتا تھا لیکن جب اس کی موت کا وقت آیا تو

اس نے صرف اپنے بیٹے کے سامنے اصل حقائق بیان کر دیئے تاکہ لوگوں میں اوہام پرستی جڑ نہ پکڑے۔ (صفحہ ۱۷۵ تا ۱۷۹)

تشریح:۔ اس تمثیل میں اور اس جیسی بعض اور تمثیلوں میں چند چیزیں بہت غور طلب ہیں۔ پہلی یہ کہ اگر اس تمثیل کا تعلق ہندومت یا بدھ مت کی کسی شخصیت سے ہوتا تو اس میں مردوں کو قبروں میں دفن کرنے کا ہرگز ذکر نہ ہوتا کیونکہ سب جانتے ہیں کہ ہندو اور بدھ دونوں اپنے مردے قبروں میں دفن نہیں کرتے بلکہ جلاتے ہیں جبکہ اس تمثیل میں راجہ کے ہاتھوں ہلاک ہونے والے نوجوان کو جلایا نہیں جاتا بلکہ قبر میں دفن کیا جاتا ہے جس کے پاس بیٹھ کر اس کی بوڑھی ماں صبح شام گریہ وزاری کرتی ہے۔ پھر جب ڈاکو اس کے دوسرے بیٹے کو زخمی کر دیتے ہیں اور وہ بھی فوت ہو جاتا ہے تو بادشاہ "تلذین" خود اسے قبر میں دفن کر دیتا ہے۔ آخر میں جب بڑھیا فوت ہو جاتی ہے تو اسے بھی خود بادشاہ "تلذین" اپنے ہاتھوں سے اس کے بیٹے کے پہلو میں دفن کرتا ہے پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تمثیل بیان کرنے والا یقیناً یہودی قوم سے تعلق رکھتا ہے جو حضرت مسیحؑ کے سوائے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

دوسری غور طلب بات یہ ہے کہ اس قسم کی تمثیلوں میں افراد اور مقامات کے جو نام آئے ہیں ان میں سے کوئی نام سنسکرت یا مہاتما بدھ کی زبان "پالی" کا نہیں بلکہ سارے نام عبرانی یا آرامی معلوم ہوتے ہیں مثلاً "قاوند"۔ "نسیفہ"۔ "کالسد"۔ "مستوقر"۔ "قاطر"۔ "قنطس"۔ "تلذین"۔ "فلنطین"۔ اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمثیل حضرت مسیحؑ بیان کر رہے ہیں اور اپنا وطن فلسطین اور اس سے متعلق نام ان کے ذہن میں ہیں خصوصاً اس تمثیل کے ایک بادشاہ "فلنطین" کا نام جو بلاشبہ فلسطین ہی کی ایک صورت۔

سفید قبریں

("سنو!) کسی ملک پر ایک ایسا بادشاہ حکومت کرتا تھا جسے خدا کی معرفت حاصل تھی اور وہ لوگوں کو بھی اس کی طرف بلاتا تھا۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ وہ شاہی جلوس

کی معیت میں اپنے لشکر کے ہمراہ گزر رہا تھا کہ راستے میں اس کی نظر دو ایسے آدمیوں پر پڑی جو ننگے پیر سفر کر رہے تھے۔ ان کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے اور مصیبت اور پریشاں حالی کے آثار ان کے چہروں سے آشکار تھے۔ بادشاہ انہیں دیکھ کر بے قرار ہو گیا' بے اختیار ہو کر گھوڑے سے اترا اور انہیں سلام کہہ کر ان سے بغل گیر ہو گیا۔ بادشاہ کا یہ فعل اس کے مصاحبوں کو ناگوار گزرا۔ انہوں نے بادشاہ کے بھائی سے یہ سارا ماجرا بیان کیا اور اس سے کہا کہ آج بادشاہ دو ادنیٰ فقیروں کے لئے گھوڑے سے اتر پڑا اور اس نے خود کو بھی ذلیل کیا اور اپنے اہل سلطنت کو بھی رسوا کیا آپ اسے سمجھائیں کہ آئندہ ایسی حرکت نہ کرے۔ بادشاہ کا یہ بھائی بادشاہ کے ساتھ بہت بے تکلف تھا چنانچہ اس نے مصاحبوں کے کہنے پر بادشاہ کو اس کی حرکت پر ٹوکا۔ اس وقت تو بادشاہ نے کوئی ایسی بات نہیں کہی جس سے معلوم ہوتا کہ وہ اپنے بھائی کی باتوں سے راضی ہوا یا ناراض۔

جب اس واقعے کو کئی دن گزر گئے تو ایک روز بادشاہ نے ایک ڈھنڈورچی کو جسے "موت کا پیادہ" کہتے تھے طلب کیا اور حکم دیا کہ میرے بھائی کے دروازے پر جا کر پکار اور موت کا نقارہ بجا دے۔ اس بادشاہ کا معمول تھا کہ جب کسی شخص کو اس کے کسی جرم کی وجہ سے قتل کرنا چاہتا تھا تو پہلے اپنے پیادے کے ذریعے سے اس کے دروازے پر موت کا نقارہ بجوایا کرتا تھا۔ چنانچہ جب بادشاہ کے بھائی کے گھر پر موت کا نقارہ بجا تو اس کے گھر میں کہرام مچ گیا۔ بھائی کفن پہن کر آہ و بکا کرتا اور داڑھی اور سر کے بال نوچتا بادشاہ کی ڈیوڑھی پر پہنچا۔ جب بادشاہ کو بھائی کی آمد کا حال معلوم ہوا تو اس نے اسے اپنے پاس بلایا۔ بھائی بادشاہ کو دیکھتے ہی زمین پر گر پڑا اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ اے نادان تجھے کیا ہوا جو اس قدر گھبرا گیا؟ اس نے جواب دیا کہ تو خود ہی تو میری موت کا حکم دیتا ہے اور خود ہی ملامت کرتا ہے کہ میں گھبراتا کیوں ہوں۔ بادشاہ بولا کہ:۔

"کیا تو اس بات پر گھبرا گیا کہ ایک پیادے نے ایسے شخص کے حکم سے

تیرے دروازے پر آواز دی (اور موت کا نقارہ بجایا) جو خالق نہیں بلکہ خود مخلوق ہے حالانکہ وہ تیرا بھائی ہے اور تجھے معلوم ہے کہ تو نے اس کا کوئی جرم بھی نہیں کیا جس کی وجہ سے وہ تجھے قتل کرے۔ دوسری طرف تو مجھے ملامت کرتا ہے کہ اپنے رب کے پیادوں (دو ادنیٰ فقیروں) کو دیکھ کر کیوں ایسا بے قرار ہو گیا (کہ ان کی تعظیم کی خاطر گھوڑے سے) زمین پر اتر آیا۔ (بات یہ ہے کہ) مجھے تو (ان فقیروں کو دیکھ کر) اپنی موت یاد آ گئی تھی جس کی مجھے اسی دن خبر دیدی گئی تھی جب میں پیدا ہوا تھا اس لئے میں (ان شکستہ حال فقیروں کو دیکھ کر گھوڑے سے) زمین پر اتر آیا تھا کیونکہ میں اپنے گناہوں سے واقف اور سخت خوفزدہ ہوں۔"

یہ کہہ کر اپنے بھائی سے مخاطب ہوا اور کہا کہ اچھا جا میں جانتا ہوں کہ تجھے میرے وزیروں نے بہکایا اور بھیجا ہے انہیں بہت جلد اپنی غلطی معلوم ہو جائے گی۔

اس کے بعد بادشاہ نے لکڑی کے چار صندوق بنوائے جن میں سے دو صندوقوں پر سونے کا پانی چڑھوایا اور دو پر سیاہی مائل رنگ۔ سیاہی مائل رنگ والے صندوقوں کو سونے، چاندی، موتیوں اور جواہرات سے بھرا اور سونے کے پانی والے صندوقوں کو مردار، گندگی، خون، لاشوں اور بالوں سے بھر کر چاروں صندوقوں کو بند کروا دیا۔ اس کے بعد ان امیرزادوں، سرداروں، اور وزیروں کو طلب کیا جنہیں بادشاہ کا دو ادنیٰ فقیروں سے ملنا اور ان کی تعظیم کرنا ناگوار گذرا تھا۔ جب وہ آ گئے تو بادشاہ نے ان صندوقوں کو ان کے سامنے رکھوا کر کہا کہ ان کی قیمت لگاؤ۔ یہ سن کر ان اکابر قوم نے کہا کہ بادشاہ سلامت! بظاہر تو سنہرے صندوق اپنے حسن اور عمدگی کے لحاظ سے قیمتی اور انمول ہیں اور سیاہی مائل رنگ کے صندوق چونکہ بدہیئت اور خراب ہیں اس لئے ان کی کچھ قدر و قیمت نہیں اور ان دونوں قسم کے صندوقوں کو ایک دوسرے سے کوئی نسبت ہی نہیں۔

یہ سن کر بادشاہ نے کہا معلوم ہوا کہ تمہاری عقل کی رسائی بس یہیں تک ہے

اور دوسری چیزوں کے بارے میں بھی تمہاری شناخت ایسی ہی ہوتی ہے۔ یہ کہہ کر سیاہی مائل رنگ کے صندوق کھلوائے تو موتیوں اور جواہرات کی روشنی سے سارا کمرہ جگمگا اٹھا۔ بادشاہ بولا ان دونوں صندوقوں کی مثال ان دو شخصوں کی ہے جن کے لباس اور ظاہری صورت و حال کو دیکھ کر تم انہیں ذلیل و حقیر سمجھتے تھے حالانکہ وہ دونوں علم و حکمت، نیکوکاری اور سچائی کی صفات سے مالا مال تھے جو ان جواہرات اور موتیوں سے کہیں زیادہ قیمتی اور نفیس ہیں۔ اس کے بعد سونے کے ملمع والے صندوق کھولے گئے تو سارا مجمع انہیں دیکھتے ہی لرز اٹھا اور تعفن (بدبو) سے پریشان ہو گیا۔ بادشاہ نے کہا کہ ان صندوقوں کی مثال ان لوگوں کی ہے جو ظاہر میں خوبصورت لباس اور زیب و زینت سے آراستہ ہیں مگر ان کا باطن جہل، عداوت، کبر و غرور..... اور بدی کی بری علامتوں سے بھرا پڑا ہے جو مردار، خون اور گندگیوں سے بھی بڑھ کر خراب اور نجس ہیں۔ (صفحہ ۳۰ تا صفحہ ۳۳)

تشریح:۔ یوز آسف کی اس تمثیل کے بعد انجیل مقدس کی یہ تمثیل دیکھئے جو اس روحانی بادشاہ (مسیحؑ) نے فلسطین کے یہودی اکابر کے سامنے بیان کی تھی۔

"اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس کہ تم سفیدی پھری ہوئی قبروں کی مانند ہو جو اوپر سے تو خوبصورت دکھائی دیتی ہیں مگر اندر مردوں کی ہڈیوں اور ہر طرح کی نجاست سے بھری ہیں○ اسی طرح تم بھی ظاہر میں تو لوگوں کو راستباز دکھائی دیتے ہو مگر باطن میں ریاکاری اور بے دینی سے بھرے ہو۔" (متی کی انجیل باب ۲۳ آیت ۲۷)

آپ نے دیکھا کہ حضرت مسیحؑ فلسطین کے یہودی علما و اکابر کو ان کی ظاہرداری کی وجہ سے سفیدی پھری ہوئی قبروں سے تشبیہہ دے رہے ہیں جو اوپر سے تو صاف ستھری نظر آتی ہیں اور اندر گلی سڑی ہڈیاں اور نجاست بھری ہوئی ہے اور دوسری طرف ہندوستان میں وارد ہونے والا مسیحؑ (یوز آسف) یہاں کے بت پرست اکابر اور سرداروں کو بھی ان 'صندوقوں سے شبیہہ دے رہا ہے جو اوپر سے تو دلکش ہیں، خوبصورت اور سنہرے ہیں مگر اندر مردار، گندگی اور سڑی ہوئی لاشیں بھری ہوئی ہیں

جن سے تعفن پیدا ہو رہا ہے۔ کیا دونوں کی APPROCH اور ایک ہی نوعیت کی تمثیل بیان کرنے سے ثابت نہیں ہو جاتا کہ یوز آسف اور مسیحؑ ایک ہی شخصیت کے نام ہیں۔

مجنونوں کی بستی

مہاتما بدھ کے ماننے والوں میں ایک گروہ ایسے لوگوں کا پیدا ہو گیا تھا جو انہیں خدا بنا بیٹھا تھا ان سے طرح طرح کی الوہی صفات منسوب کرتا تھا حضرت مسیحؑ نے ہندوستان تشریف لا کر ان گمراہ کن خیالات و عقائد کی اصلاح کی اور مختلف تمثیلات کے ذریعے مہاتما بدھ کے پیروکاروں کو ان کی غلطی پر متنبہ کیا چنانچہ آپؑ فرماتے ہیں:۔

بودھ کیا تھا؟ بودھ خدا کا ایک بندہ اور روحوں کا طبیب تھا۔ اس نے حکمت عملی اور تدبیر سے کام لیا اور اپنے زمانے کے لوگوں کا روحانی علاج دریافت کرنے پر غور شروع کیا۔ آخر کار اس نے ان کی بیماریوں کو ان کے مناسب حال دوائیں تجویز کر کے دور کیا۔ اس کی مثال اس بادشاہ کی ہے جسے معلوم ہوا کہ اس کی حدود مملکت کے فلاں شہر میں جنون کا مرض پھیل گیا ہے اور مرض اس قدر شدت اختیار کر گیا ہے کہ کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں جو اس میں مبتلا نہ ہو گیا ہو چنانچہ بادشاہ نے اپنے طبیب خاص کو اس شہر کے لوگوں کے علاج پر مامور کیا کیونکہ وہ علم طب کے علاوہ تدبر و فراست میں بھی سب پر فائق تھا۔ جب یہ حکیم اس شہر میں پہنچا تو اسے وہاں کے کوچوں اور بازاروں میں بڑا ہولناک منظر نظر آیا۔ شہر میں مجنونوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ بظاہر ان کا علاج دشوار تھا کیونکہ سارا شہر پاگل ہو چکا تھا اور ہوشمند کوئی ایک شخص بھی نہیں تھا۔ طبیب کی جس سے بھی ملاقات ہوئی وہ پاگل نکلا فرق اتنا تھا کہ کسی کا جنون چھپا ہوا تھا اور کسی کا ظاہر۔ طبیب نے سوچا کہ اگر ان لوگوں پر ظاہر کر دیا گیا کہ وہ ان کا علاج کرنے کی غرض سے آیا ہے تو جنون کا جو بھوت ان پر سوار ہے وہ انہیں بھڑکائے گا کیونکہ ان مجنونوں کو طبیب سے وحشت پیدا ہو گی اور وہ سب مل کر اسے قتل کر دیں گے۔ پس اس نے یہ تدبیر اختیار کی کہ ان میں کسی

ایک کو تنہا پا کر پکڑ لیتا پھر اس کے ہاتھ پیر باندھ کر جھاڑ پھونک کرتا (دعائیہ کلمات پڑھتا)، مناسب دوائیں دیتا یہاں تک کہ وہ اچھا ہو جاتا پھر اس کی مدد سے کسی دوسرے مجنون کو پکڑتا اور اسی طرح اس کا علاج کرتا۔ اس طریقے سے اس نے چند دیوانوں کا علاج کر کے انہیں پوری طرح صحتمند کر دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اس امر کا بھی جائزہ لیتا رہا کہ ان مجنونوں میں سے سب سے زیادہ طاقتور اور رعب و دبدبہ والے کون سے مجنون ہیں تاکہ ان کا علاج کر کے انہیں صحتیاب کر دے اور پھر ان کی مدد سے زیادہ سے زیادہ بیماروں کو قبضے میں لا کر شہر کو اس مصیبت سے نجات دلائے۔

ایک روز اس کی نظر ایک ایسے مجنون پر پڑی جو بڑا قدر آور، جسیم اور رعب داب والا تھا۔ اس کے اثر اور رعب داب کا یہ حال تھا کہ بڑے بڑے طاقتور مجنون اس سے ڈرتے اور اس سے پناہ کے طالب ہوتے تھے۔ یہ دیکھ کر حکیم سمجھ گیا کہ اس کا سب سے بڑا معاون و مددگار یہی موٹا تازہ اور بارعب مجنون ہو سکتا ہے مگر اس نے فوراً اس کے علاج کا قصد نہیں کیا کیونکہ ابھی اس کے پاس صحتمند لوگوں کی اتنی جمعیت اکٹھی نہیں ہوئی تھی جو اسے قابو میں لانے کے لئے کافی ہوتی۔ پس وہ طبیب کمزور مجنونوں کو تنہا پا کر باندھ لیتا اور دعا و دوا سے ان کا علاج کرتا جب وہ اچھے ہو جاتے تو انہیں رہا کر دیتا اور انہیں سختی سے تاکید کرتا کہ اس راز کو پوشیدہ رکھیں یہاں تک کہ اس کے پاس صحت یافتہ لوگوں کی ایک معقول تعداد جمع ہو گئی تب اس نے اس موٹے تازے مجنون پر ہاتھ ڈالنے کا ارادہ کیا۔ اتفاق سے ایک روز وہ اسے تنہا مل گیا، پھر کیا تھا حکیم نے صحت یافتہ مجنونوں کی مدد سے اسے باندھ لیا اور دعا و دوا کے ذریعے چند روز میں اسے اچھا کر دیا۔ اب چونکہ ایک بہت بڑے اور صاحب رعب و دبدبہ شخص کی مدد بھی اسے حاصل ہو گئی تھی چنانچہ اب وہ کھلے عام اور کسی خوف و خطر کے بغیر مجنونوں کو پکڑ کر ان کا علاج کرنے لگا اور اس قوی مجنون کی وجہ سے جو اب صحتیاب ہو چکا تھا کسی کو طبیب پر ہاتھ ڈالنے کی جرات نہیں ہوتی تھی۔ طبیب کی ان کوششوں کے نتیجے میں شہر کے لوگوں کی کئی قسمیں ہو گئیں۔ بعض تو ساری بیماریوں سے مکمل طور پر شفایاب ہو گئے۔ بعض کا صرف جنون رفع ہوا اور بعض بیماریاں

جو اس جنون کے نتیجے میں پیدا ہو گئی تھیں باقی رہ گئیں۔ بعض کا جنون بہت حد تک دور ہو گیا البتہ کچھ فالج و رعشہ ہلکا سا باقی رہ گیا اور بعض مجنون کے مجنون ہی رہے اس لئے کہ وہ حکیم سے ہمیشہ بھاگتے رہے۔

جب طبیب اپنا کام مکمل کر چکا اور اس نے بادشاہ کے حضور میں جانے کا قصد کیا تو اس نے اپنی دوائیں ان لوگوں کے سپرد کر دیں جو پوری طرح صحت یاب ہو چکے تھے اور سلامت رو بھی تھے (اس نے انہیں بیماروں کو شفایاب کرنے کا علم بھی سکھا دیا) جن مریضوں کا جنون تو رفع ہو گیا تھا مگر جسمانی کمزوری باقی رہ گئی تھی ان کو کچھ ادویہ دیدیں اور انہیں استعمال کرنے کی ہدایت کر دی۔ جن لوگوں کا جنون ابھی پوری طرح دور نہیں ہوا تھا انہیں ہدایت کی کہ وہ ان لوگوں سے رجوع کریں جنہیں طبیب نے دواؤں کا امانت دار اور اپنا نائب بنایا ہے انہیں چاہئے کہ طبیب کے نائبین کی ہدایات پر عمل کریں، ان کی نافرمانی نہ کریں۔ جو لوگ ابھی تک مکمل طور پر مجنون اور بیمار تھے ان کے بارے میں اپنے نائبین کو ہدایت کی کہ اگر ان پر قدرت پائیں تو نرمی اور شفقت سے ان کا علاج کریں۔

تشریح:- (حضرت مسیحؑ خود اس تمثیل کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ) وہ بادشاہ اللہ تعالیٰ ہے جس نے اپنے طبیب خاص کو جنون زدہ شہر کی طرف بغرض علاج بھیجا تھا۔ وہ شہر جہاں جنون کا مرض عام ہو رہا تھا دراصل یہ دنیا ہے اور مرض جنون سے مراد دنیا کے مال و متاع سے محبت ہے اور طبیب خاص سے مراد مہاتما بدھ ہیں (بلکہ ہر زمانے کا نبی مراد ہے اور طبیب نے اس شہر سے واپسی کے وقت جن لوگوں کو نائبین کے طور پر مقرر کیا تھا وہ نبی کے جانشین یعنی امیر یا خلفاء ہیں جو اس کے سلسلے کو قائم رکھتے ہیں۔ مرتب) (صفحہ ۱۹۹ تا ۲۰۲)

مقدس پرندے

ایک تمثیل سنو! کسی ملک کے ساحل پر ایک خاص قسم کے پرندے رہتے تھے۔ چونکہ یہ پرندے زراعت کو نقصان نہیں پہنچاتے تھے اس لئے انہیں بے ضرر سمجھا جاتا

تھا۔ ان کی خوراک نہ تو کھیتوں میں پیدا ہونے والا اناج تھا نہ سبزہ بلکہ چھوٹی چھوٹی کنکریاں ان کی غذا تھی۔ اس کے علاوہ ان میں ایک کمال یہ تھا کہ نہایت درجہ خوش الحان تھے اس کے ساتھ صاحب برکت بھی تھے کہ ان میں سے کوئی پرندہ جب کسی گھر میں بسیرا کرتا اور وہاں گھونسلہ بنا کر انڈے دیتا تو جب تک اس کے بچے نہ نکل آتے اور جس وقت تک وہ اس گھر میں ٹھہرا رہتا تب تک کوئی بدکار اس گھر میں داخل نہیں ہو سکتا تھا اور نہ کوئی چور اچکا اور جادوگر اس طرف رخ کرتا، اس گھر میں رہنے والوں پر نہ کوئی آفت آتی اور نہ کوئی دکھ بیمار ہوتا۔ چونکہ اس علاقے کے لوگ اس پرندے اور اس کی خصوصیات سے واقف ہو گئے تھے اس لئے ہر شخص کی آرزو ہوتی کہ یہ پرندے ان کے گھروں میں آ کر رہیں اور جہاں تک ان کے بس میں ہوتا وہ اس کی تدبیر اور کوشش بھی کرتے۔ وہ ان پرندوں کے بارے میں اس قدر خوش عقیدہ تھے کہ انہیں اپنے نزدیک آنے اور ایک نظر دیکھ لینے کو بھی فال نیک سمجھتے تھے یہی وجہ ہے کہ ان کا گوشت کھانا تو کجا وہ انہیں معمولی سا ضرر پہنچانے کا بھی تصور نہیں کر سکتے تھے۔

ایک مدت تک یہی صورت حال رہی پھر خدا کا کرنا کیا ہوا کہ ملک میں سخت کال پڑ گیا۔ کھانے پینے کی ساری چیزیں ختم ہو گئیں، حتیٰ کہ لوگوں نے مویشی تک کھا لئے۔ پھر پرندوں کی باری آئی اور جب پرندے بھی ختم ہو گئے تو بادشاہ نے اعلان عام کر دیا کہ لوگ ان (مقدس) پرندوں کو بھی پکڑ پکڑ کر کھالیں۔ بس پھر کیا تھا ان بیچارے پرندوں کی کم بختی آ گئی لوگ ان پر بلا کی طرح ٹوٹ پڑے۔ جب لوگوں نے ان کا گوشت کھایا تو ایک نئی بات یہ معلوم ہوئی کہ جتنا لذیذ اور خوشبودار گوشت ان پرندوں کا ہے اتنا لذیذ اور خوشبودار گوشت دنیا کے کسی مویشی یا پرندے کا نہیں اس وجہ سے ان غریبوں پر مزید آفت آئی اور عام کال کے ساتھ ان پرندوں کا بھی کال پڑ گیا۔ جو تھوڑے سے باقی بچ رہے وہ اس علاقے کو چھوڑ کر دور دراز کے جنگلوں میں جا چھپے مگر ان کے گوشت کے رسیا اور بھوکے وہاں بھی جا پہنچے اور راتوں کو جاگ جاگ کر اور انہیں تلاش کر کے گھونسلوں سے ان کے بچے تک نکال لے جاتے اور انہیں ذبح کر کے کھا جاتے۔

اسی اثناء میں ان پرندوں میں سے ایک پرندے کا بچہ ایک شخص کے ہاتھ لگا۔ یہ بادشاہ کا دوست تھا اسے اس بچے پر رحم آیا اور اس سے فائدے کی بھی امید پیدا ہوئی پس اس نے اسے چھپا کر رکھا اور لوگوں کے ڈر سے کہ کوئی مخبری نہ کردے اس کے پروں کو سیاہ رنگ سے رنگ دیا تاکہ لوگ پہچان نہ سکیں، اسے دانہ چگنے اور پھل کھانے کی عادت پر ڈال دیا چنانچہ وہ انہی غذاؤں کا خوگر ہو گیا۔

چونکہ اس علاقے سے یہ مقدس پرندے ختم ہو گئے تھے اس لئے چور، بدکار اور جادوگر کثرت سے لوگوں کے گھروں میں آمدورفت رکھنے لگے تھے اور لوگ بھی ان سے شیروشکر ہو گئے تھے۔ اب ان بدکاروں نے محسوس کیا کہ ان پرندوں کے ناپید ہو جانے کی وجہ سے انہیں یہ فائدہ پہنچا ہے کہ اپنی اوباشانہ حرکتیں شروع کرنے اور بدمعاشیاں کرنے کا موقع پھر مل گیا ہے اور جن گھروں میں ان پرندوں کی وجہ سے یہ قدم نہیں رکھ سکتے تھے اب ان میں آزادانہ بودوباش رکھتے ہیں اس وجہ سے یہ بدکار ان مقدس پرندوں کے جانی دشمن ہو گئے اور اس فکر میں رہنے لگے کہ ان گھروں پر ان کا سایہ بھی نہ پڑنے پائے۔

اب ان کا سب سے مضبوط ہتھکنڈا یہ تھا کہ بادشاہ کے کان میں پھونک دیتے کہ فلاں شخص کے پاس اس پرندے کا بچہ ہے جسے اس نے چھپا رکھا ہے اور اس کے پروں کو رنگ دیا ہے تاکہ کوئی پہچان نہ سکے اور اسے دانے اور پھلوں کا عادی اور خوگر بنا دیا ہے۔ کیا اچھا ہو کہ بادشاہ سلامت اس بچے کو اپنے پاس منگوالیں اسے اپنے آپ سے ہلالیں، اسے سچے موتیوں سے زیب و زینت دیں، اسے خوشبودار پانی سے ہر روز غسل دینے اور پھر اچھا دانہ کھلانے کی ہدایت فرما دیں تاکہ اسے شاہی محل سے انس ہو جائے اور پھر کہیں اور نہ ٹھہر سکے۔ اس کے بعد اسے اس کے ہم جنسوں میں بھیجا جائے جہاں وہ چھپے ہوئے ہیں۔ یہ سدھایا ہوا پرندہ ان کے پاس جا کر بتائے کہ بادشاہ نے جو تمہارے کھانے کا حکم دیا ہے تو اس بارے میں وہ بے بس ہے اور اس کا کوئی قصور نہیں۔ اس کے بعد اپنے ہم جنسوں کو تاکید کردے کہ ان میں سے کوئی بادشاہ کی حدود سلطنت میں جا کر نہ رہے اور نہ اس کی حدود میں پرواز کرے نہ ادھر سے پرواز کرتا ہوا گزرے۔ اگر اس کے ہم جنس اس کی بات

مان لیں تو نبھا اور اگر نہ مانیں تو ان میں سے جو پرندے دھوکے میں آ کر اس سدھائے ہوئے پرندے کے کہنے میں آجائیں وہ انہیں بادشاہ کے محل میں لے آئے۔ یہاں انہیں پکڑ لیا جائے اور ان سے بھی یہی کام لیا جائے یا پھر ذبح کر کے کھا لیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ جو تھوڑے سے پرندے باقی رہ گئے ہیں ان کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔

بادشاہ نے ایسا ہی کیا اور اس کے دوست نے جو پرندہ پال رکھا تھا اسے منگوا لیا، اسے اپنے آپ سے ہلا لیا پھر اسے جنگل کی طرف روانہ کر دیا۔ جب وہ اپنے ہم جنسوں میں پہنچا تو اسے دیکھ کر اس کے ہم جنس شروع شروع میں تو اس سے بھڑکے اور کنارہ کش ہوئے کیونکہ اس کا رنگ ڈھنگ ان سے مختلف تھا صرف خلقت میں یگانگت تھی۔ ادھر اس پرندے کا یہ حال ہوا کہ اپنے ہم جنسوں کو دیکھ کر اس کی اصل فطرت و جبلت نے زور مارا، اسے اپنی اصل اور پرانی عادتیں یاد آگئیں چنانچہ اس نے پھر اپنے ہم جنسوں کے طور طریقے اختیار کر لئے اور انہی میں رہنے لگا بلکہ اپنے ہم جنسوں کو ساتھ لے کر بادشاہ کی حدود سلطنت میں سے گزرنے اور اس کے محل پر سے پرواز کرنے لگا۔ اب تو بدکاروں اور اوباشوں کو سخت نقصان پہنچا اور ان کی ساری اوباشانہ سرگرمیاں ختم ہو گئیں۔ اگرچہ بادشاہ اور اسے بہکانے والے اس پرندے کو پہچان لیتے تھے کیونکہ اس کے پر رنگے ہوئے تھے اور رنگے بھی انہی لوگوں نے تھے مگر اسے پہچان لینے کے باوجود نہ بادشاہ اس کا کچھ بگاڑ سکتا تھا نہ اس کے مصاحب کیونکہ اسے دیکھتے ہی ان سب کی حالت ہی غیر ہو جاتی تھی دوسرے الفاظ میں ان میں سے غلط کار لوگوں کے مکروہ عزائم خاک میں مل جاتے تھے۔ (صفحہ نمبر ۲۱۷ تا ۲۲۱)

تشریح:۔ اس تمثیل میں حضرت مسیحؑ نے استعارات کے رنگ میں ان حالات کا خلاصہ اور نچوڑ بیان فرمایا ہے جو فلسطین کے دوران قیام آپؑ کو پیش آئے۔ چنانچہ مقدس پرندوں سے آپؑ کی مراد وہ لوگ (حواری) ہیں جن کی آپؑ نے تربیت فرمائی تھی اور اس فیض تربیت کے نتیجے میں وہ روحانی پرواز کرنے لگے تھے۔ قرآن شریف میں بھی بیان کیا گیا ہے کہ جناب مسیحؑ پرندے تیار کرتے اور پھر انہیں اڑایا کرتے تھے اس سے مراد سچ کے

پرندے نہیں بلکہ معصوم پرندوں کی طرح وہ نیک فطرت روحانی لوگ مراد تھے جو حضرت مسیحؑ کے انفاسِ قدسیہ کی گرمی سے اسی طرح ایک نئی زندگی پا لیتے تھے جس طرح بے جان اور جلد انڈے میں سے اس کے ماں باپ کے پروں کی گرمی سے بچہ نکل آتا ہے' پھر وہ روحانی پرندے (حواری) روحانی پرواز کے قابل ہو جاتے تھے۔ جس طرح اس تمثیل والے پرندے جن مکانوں میں بسیرا کرتے تھے وہاں کوئی بدکار داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ اسی طرح جو لوگ حضرت مسیحؑ کے صحابیوں (حواریوں) سے سچا تعلق پیدا کر لیتے تھے ان کے گھروں پر خداوند تعالیٰ کی برکتیں نازل ہونے لگتی تھیں' بدبختی اور ہر قسم کی بدعملی و بدکاری ان گھروں سے نکل جاتی تھی۔

اس تمثیل میں ایک ظالم بادشاہ اور اس کے مشیروں کا ذکر کیا گیا ہے جو ان پرندوں کے دشمن تھے' انہیں اذیتیں دیتے اور ذبح کرتے تھے۔ ان سے حضرت مسیحؑ کی مراد رومی بادشاہ اور اس کے یہودی مشیر اور امرا ہیں جو آپؑ کے اور آپؑ کے صحابیوں (حواریوں) کے دشمن تھے جنہوں نے خود حضرت مسیحؑ کو قتل کرنے کی پوری کوشش کی اور آپؑ کے حواریوں میں سے بعض کو قتل کیا اور بہت سے اسی طرح غاروں میں پناہ لینے اور ترک وطن پر مجبور ہوئے جس طرح اس تمثیل والے پرندے جان کے خوف سے دور دراز جگہوں میں جا چھپے تھے۔ (مرتب)

مست ہاتھی اور مسافر

"ایک شخص جنگل کی طرف جا نکلا' وہ چلا جا رہا تھا کہ پیچھے سے ایک مست ہاتھی نے اس پر حملہ کر دیا۔ وہ شخص اس سے بچنے کو بھاگتا پھرتا تھا اور ہاتھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا تھا یہاں تک کہ رات ہو گئی اور اس بیچارے نے مجبور ہو کر ایک کنویں میں پناہ لی اور اس درخت کی ٹہنیاں جو کنویں کے کنارے پر اگا ہوا تھا' دونوں ہاتھوں میں پکڑ لیں۔ اس کے دونوں پاؤں کسی چیز پر جا ٹکے جو کنویں کے عرض میں پھیلی ہوئی تھی۔ جب صبح ہوئی تو اس نے دیکھا کہ ٹہنیوں کی جڑ میں خرگوش کے برابر بڑے بڑے دو چوہے لپٹے ہوئے ہیں' ایک

سفید ہے اور دوسرا سیاہ اور انہیں کلٹ رہے ہیں۔ اپنے پاؤں کے نیچے چار سانپ دیکھے جو اپنی بانبیوں سے سر نکالے ہوئے ہیں اور کنویں کی تہہ کو جو غور سے دیکھا تو ایک بڑا اژدہا نظر آیا جو اس کو اپنا نوالہ بنا لینے کی امید میں منہ پھیلائے ہوئے ہے۔ پھر اس نے سر اٹھا کر ٹہنیوں کی جڑ کو جو دیکھا تو اس کے اوپر کی جانب تھوڑا سا شہد لگا ہوا تھا۔ وہ دونوں ڈالیوں کو اپنے منہ کے پاس لایا اور اس شہد کی مٹھاس سے کسی قدر مزہ اٹھایا۔ اس مٹھاس میں وہ ایسا غافل اور از خود رفتہ ہو گیا کہ نہ تو اسے ان دونوں ٹہنیوں کا کچھ غم رہا جن کے سہارے وہ لٹکا ہوا تھا حالانکہ وہ دیکھ چکا تھا کہ دونوں جنگلی چوہے انہیں تیزی سے کتر رہے ہیں اور نہ ان چاروں سانپوں کا اسے اندیشہ رہا جن پر پاؤں ٹیکے ہوئے تھے اور نہیں جانتا تھا کہ وہ کب جوش میں آ کر اسے ڈس لیں گے اور نہ اس اژدہے کا خوف باقی رہا جو منہ پھیلائے ہوئے تھا اور اسے خبر نہ تھی کہ کب گر کر اس کا لقمہ بنے گا۔"

تشریح:۔ حضرت مسیحؑ خود اس تمثیل کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

پس وہ کنواں تو یہ دنیا ہے جو آفتوں اور بلاؤں سے بھری ہوئی ہے اور ٹہنیاں یہ بری زندگی ہے اور سفید و سیاہ چوہے دن اور رات ہیں اور ان کا ٹہنیوں کو جلدی جلدی کترنا لیل و نہار کا تیزی کے ساتھ عمر کو تمام کر دینا ہے اور چاروں سانپ جسم کے چاروں خلط ہیں جو واقع میں بس کی گانٹھیں ہیں اور جو اژدہا نگلنے کو منہ پھیلائے ہوئے ہے وہ موت ہے جو تاک لگائے بیٹھی ہے اور ہاتھی وہ وقت معین ہے جو ہمہ دم آدمی کے پیچھے لگا ہوا ہے اور شہد دنیا کی ناپائدار اور ناچیز لذتیں ہیں جنہوں نے آدمی کو فریب دے کر بالکل غافل بنا رکھا ہے (صفحہ ۳۶)

کتے اور راہ گیر

"دنیا داروں کی مثال ان کتوں کی ہے' جو مختلف رنگ اور قسم کے تھے اور سب ایک مردار کے کھانے کو اکٹھے ہوئے تھے۔ ایک دوسرے پر غراتا اور بھونکتا اور یہ اس کو اور وہ اس کو کاٹنے کو دوڑتا تھا۔ یہ سب اس مردار پر لڑ جھگڑ رہے تھے۔ ادھر سے ایک آدمی گذرا

سب نے باہمی لڑائی کو چھوڑ کر اس بیچارے آدمی کا پیچھا کرنا شروع کر دیا کوئی اس پر بھونکا'
کوئی غرایا' کسی نے کپڑے نوچے اور کسی نے دانت مارے اور سب اس کام میں ایک
دوسرے کے معاون و مددگار بن گئے حالانکہ ان کی آپس میں دشمنی تھی اور ظاہر ہے کہ
اس مرد کو نہ تو ان کے مردار کی ضرورت تھی اور نہ وہ ان سے اس کے لئے جھگڑنا چاہتا تھا
مگر کتوں نے اسے اجنبی پایا اس لئے اس سے بھڑکے اور آپس میں ایک ہو گئے۔

تشریح: اس تمثیل کی بھی خود حضرت مسیحؑ تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

پس دنیا کا مال و متاع مردار ہے اور مختلف قسم کے آدمی یعنی بتوں وغیرہ کے پوجنے
والے رنگ برنگ کے کتے ہیں کیونکہ یہ سب دنیا ہی کو چاہتے اسی کے لئے آپس میں لڑتے
جھگڑتے اور خونریزی کرتے ہیں اور نہ اس سے کبھی ان کا دل اکتاتا ہے اور نہ وہ اس کو
چھوڑتے ہیں اور وہ دین دار جو دنیا پر لات مار کر اس سے علیحدہ ہو جاتا ہے اور اس کے لئے
نہ کسی سے لڑتا جھگڑتا ہے نہ دوسروں کو اس سے روکتا ہے یہ اس آدمی کی مثل ہے جس
پر کتے ایکا کر کے ٹوٹ پڑے تھے حالانکہ اسے ان کے مردار سے کچھ غرض نہ تھی۔ پھر اس
پر تعجب کیا ہے کہ لوگوں کی ساری کوششیں دنیا ہی کے لئے وقف ہیں اور اسی کے لئے
لڑتے مرتے ہیں یہاں تک کہ جب ایسے آدمی کو دیکھ پاتے ہیں جو اس مردار کو انہی کے
ہاتھوں میں چھوڑ کر خود اس سے اپنا دامن چھڑا کر الگ ہو گیا تو اس سے ان لوگوں کی
نسبت زیادہ نزاع و تکرار کرتے اور غیظ و غضب ظاہر کرتے ہیں جو مردار خوری میں ان
کے ساتھ شریک ہیں (یعنی وہ چاہتے ہیں کہ یہ دین دار بھی مردار خوری میں ان کے ساتھ
شریک ہو جائے) یہ اہل دنیا' دنیا کی رغبت ہی کو دین داری سمجھتے ہیں۔ (صفحہ ۴۳'۴۴)

دو آفتاب

یوں سمجھو کہ دنیا میں دو آفتاب طلوع ہوتے ہیں جو روشنی اور چمک میں برابر ہیں۔
ایک کی روشنی تو آنکھوں پر پڑتی ہے اور دوسرے کی دلوں پر۔ اب دیکھو کہ ظاہری آفتاب
کا پرتو سب پر یکساں ہے کسی کی خصوصیت نہیں مگر پھر بھی اس سے فائدہ اٹھانے کے لحاظ

سے آدمی تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک صحیح آنکھ والے جن کو روشنی فائدہ دیتی ہے اور وہ
اس کی طرف دیکھ سکتے ہیں۔ دوسرے اندھے جو روشنی سے محض بیگانے ہیں۔ ایک
آفتاب کیا اگر ان پر ہزار آفتاب بھی چمکیں تو ان کو کچھ فائدہ نہ ہو اور تیسرے کمزور بینائی
والے جن کا شمار اندھوں میں ہے نہ صحیح آنکھ والوں میں۔ یہ لوگ اپنی بینائی کی بساط کے
موافق آفتاب کو دیکھ سکتے ہیں۔ ٹھیک یہی حال حکمت کا ہے جو دلوں کا آفتاب ہے۔ جب وہ
چمکتا ہے تو اس کے لحاظ سے بھی انسان کے تین طبقے جدا جدا نظر آتے ہیں۔ ایک طبقہ ان
آنکھ والوں کا ہے جو حکمت پر عمل کرتے اور اس کے ہو جاتے ہیں۔ اس کو سب سے بہتر
سمجھتے اور اس پر اعتقاد رکھتے ہیں اور اس کی نگہداشت و حفاظت اور تعظیم میں کوئی دقیقہ
اٹھا نہیں رکھتے اور اپنا وقت حکمت معلومہ پر عمل کرنے اور غیر معلومہ کے دریافت کرنے
میں صرف کرتے ہیں اور دوسرا طبقہ دل کے اندھوں کا ہے جن کے دل حکمت سے اسی
طرح اجنبی و بیگانہ ہیں جس طرح آفتاب کی روشنی سے اندھوں کی آنکھیں اور تیسرا طبقہ
بیمار دل والوں کا ہے جن کا عمل ناقص اور علم کمزور۔ ان کو بھلے برے' سچے جھوٹے اور
نیک و بد میں چنداں تمیز نہیں ہے۔ ان دونوں آفتابوں میں کوئی فرق نہیں ہے البتہ اس
قدر ہے کہ حکمت کی روشنی سے فائدہ اٹھانے والے کم ہیں اور اس دعوے کے ثبوت کے
لئے بہت ہی صاف اور واضح دلیلیں ہیں جن سے عجیب عجیب باتیں ظاہر ہوتی ہیں اور جب
اس کا وقت آئے گا تو تمہیں ان دلائل کا علم ہو جائے گا اور ایک بات یہ بھی ہے کہ باطن
کی آنکھ رکھنے والوں کے مدارج میں تفاوت بہ نسبت ظاہری آنکھ والوں کے زیادہ ہے۔ گو
سارے اہل باطن ایک ہی نام سے پکارے جاتے ہیں یعنی حق و حکمت تلاش کرنے والے۔
ان کی آپس میں فرق مراتب کی مثال موتی کی سی ہے کہ لفظ "موتی" میں ہر قسم کے موتی
داخل ہیں مگر کوئی دانہ تو ہزاروں روپیہ کا ہوتا ہے اور کوئی چند آنوں کا اور ان دونوں کے
بیچ میں ہزاروں اور لاکھوں مدارج ہیں علیٰ ہذا القیاس دل کے اندھوں کے لئے مدارج بھی
مختلف ہیں۔ کوئی صرف حق سے بیگانہ ہوتا ہے مگر باطل میں ڈوبا ہوا نہیں ہوتا اور کوئی
صرف حق سے بیگانہ ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کا دشمن اور اس کے ماننے والوں کو رنج و ایذا

دینے والا ہوتا ہے پس ان کے مراتب بھی ان کی قوت و ضعف اور ان کے تعلقات کے اختلاف کے موافق مختلف ہوتے ہیں۔ (صفحہ ۵۲، ۵۳، ۵۴)

چڑا اور باغبان

اگلے زمانے میں ایک شخص جو ایک باغ کا مالک تھا وہ خود ہی اس کا مالی اور خود ہی اس کا رکھوالا تھا ایک دن وہ اپنے باغ میں کوئی کام کر رہا تھا کہ ایک چڑے کو دیکھا کہ درخت پر بیٹھا ہے اور اس کے پھلوں کو کھاتا ہے اور نقصان بھی کرتا ہے اس پر اس شخص نے غضبناک ہو کر چڑے کو پکڑنے کے لئے جال پھیلایا اور اور اپنی اس کوشش میں کامیاب ہوا مگر جب اس چڑے کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو وہ چڑا انسان کی طرح بولنے لگا۔ دونوں کے درمیان یہ گفتگو ہوئی۔

چڑا:۔ اے شخص میں سمجھتا ہوں کہ تو مجھ کو ذبح کرنا چاہتا ہے مگر مجھ میں اتنا گوشت بھی نہیں ہے جس سے تیری بھوک میں ذرا سی بھی کمی آئے یا کچھ قوت پیدا ہو اس لئے میں تجھ کو اس سے زیادہ فائدہ کی بات بتلانا چاہتا ہوں۔

باغبان:۔ وہ کیا۔

چڑا:۔ تو مجھے چھوڑ دے تو میں تجھ کو تین باتیں ایسی بتاؤں گا کہ اگر تو انہیں یاد رکھے گا تو تجھ کو گھر بار اور مال و دولت سب سے زیادہ فائدہ ہو گا۔

باغبان:۔ وہ کون سی باتیں ہیں؟

چڑا:۔ تو قسم کھا کہ مجھے چھوڑ دے گا تو بتاؤں گا چنانچہ اس نے قسم کھائی۔

چڑا:۔ جو میں کہتا ہوں اس کو دلنشیں کر۔ جو چیز ہاتھ سے چلی جائے اس پر افسوس نہ کر۔ جو بات ہو نہیں سکتی ہو اس کو سچ نہ جان! اور جو چیز مل نہیں سکتی ہو اس کی جستجو نہ کر۔

جب چڑا یہ باتیں کہہ چکا تو باغبان نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ پھدک کر ایک ٹہنی پر جا بیٹھا اور اس سے خطاب کر کے کہنے لگا۔

چڑا:۔ اگر تجھ کو یہ معلوم ہو کہ میں تیرے ہاتھ سے کیا نکلا بلکہ سونے کی چڑیا نکل گئی تو تجھ کو سخت افسوس ہو۔

باغبان:۔ وہ کون سی چیز تھی۔

چڑا:۔ تو نے میرے ذبح کرنے کا جو ارادہ کیا تھا اگر تو اس کو کر گزرتا تو میرے پوٹے سے قاز کے انڈے کی برابر موتی نکلتا جس سے تو ہمیشہ کے لئے مالدار ہو جاتا۔ چڑے کی یہ بات سن کر اس شخص کے منہ میں پانی بھر آیا اور سخت حسرت و افسوس دامن گیر ہوا اور چڑے کو دھوکے سے پکڑنے کی نیت سے کہنے لگا۔

باغبان:۔ برگزشتہ صلوات۔ آؤ ہم تم دوست بن جائیں چلو میرے گھر میں میرے بال بچوں کے ساتھ رہو میں تمہاری بڑی خاطر مدارت کیا کروں گا۔

چڑا:۔ اے جاہل! میں جب تیرے ہاتھ آیا تو تو نے مجھے کھو دیا اور جو باتیں تو نے میری جان کے بدلے خریدیں ان کا بھی تجھ پر کچھ اثر نہ ہوا۔ کیا میں نے تجھے نہیں بتایا کہ جو چیز ہاتھ سے چلی جائے اس کا افسوس نہ کر اور جو انہونی بات ہو اس کو ہرگز سچ نہ جان اور اور جو شئے مل نہیں سکتی ہو اس کی جستجو نہ کر۔ حالانکہ تو میرے ہاتھ سے جاتے رہنے پر رنج و افسوس کر رہا ہے اور چاہتا ہے کہ میں پھر تیرے ہاتھ میں آؤں جو تجھے حاصل نہیں ہو سکتا ہے اور میری اس بات کو سچ سمجھتا ہے کہ میرے پوٹے میں قاز کے برابر موتی ہے حالانکہ قاز کا انڈا میرے سارے جسم کے برابر ہوتا ہے۔ (صفحہ ۶۹، ۷۰)

بادشاہ اور اس کے خائن کارندے

ایک بادشاہ نے بہت سی فوجیں جمع کر کے ایک ملک پر چڑھائی کی اور اس نے اسے فتح کر لیا۔ وہاں اس کو بہت سا سونا ہاتھ لگا۔ جہاں جہاں سے سونا ملا تھا بادشاہ نے وہ سارا سونا اپنے ایک خزانہ میں جمع کرایا اور اس ملک کے کل سناروں کو بلوا کر حکم دیا کہ اس سونے کو سارے غل و غش سے پاک و صاف کر کے برتن بنائیں ہم اپنے ساتھ لیتے جائیں گے

لیکن اس قدر عجلت میں ساروں سے حکم کی تعمیل نہیں ہو سکتی تھی سونا بہت زیادہ تھا اور لوگوں نے یہ بھی سوچا کہ اگر بادشاہ کام ختم ہونے تک ان کے شہر میں ٹھہرا رہے گا تو ملک کی وسعت و پیداوار بادشاہ کے خدم و حشم اور لشکر جرار کے لئے ہرگز کافی نہیں ہونے کی اس لئے سب نے بادشاہ سے درخواست کی کہ آپ یہاں سے تشریف لے جائیں اور سونے کے خزانے پر نگران مقرر کر جائیں جو بادشاہی فرمائشوں کے مطابق ظروف تیار کرایا کرے۔ بادشاہ نے ان کی درخواست منظور کی اور اپنی طرف سے مہتمم خزانہ و ظروف سازی مقرر کیا اور ہوشیار و ماہر ساروں کو متعین کیا اور جن برتنوں کی فرمائش کی تھی ان کے سانچے حوالے کئے اور ان کی صورت و شکل اور ہر ایک کا وزن بیان کر دیا اور اہل شہر کو تاکید کر دی کہ بادشاہ کے قاصدوں کی معرفت اس قدر ظروف ہر سال بھیجا کریں اور جو چیز بھیجیں اس کے سونے کو تاؤ دیکر خوب اچھی طرح سے پاک و صاف کر ڈالیں اور جب بادشاہ کا مقرر کیا ہوا مہتمم خزانہ مرجائے تو سب سے دیانت دار شخص کو اس کی جگہ پر مقرر کریں۔ بادشاہ نے یہ سب باتیں سمجھا کر وہاں سے کوچ کیا۔ وہ مہتمم خزانہ ساروں کو اپنی نگرانی میں لے کر بادشاہ کے حکم کی ان سے تعمیل کرانے لگا۔ جب سال پورا ہوتا تو وہ بادشاہ کی تعداد مقررہ کے مطابق خالص سونے کے ظروف جن میں ذرہ برابر بھی کھوٹ نہ تھا روانہ کرتا تھا یہاں تک کہ اس شخص نے وفات پائی اور دوسرا شخص اس کام پر مقرر ہوا مگر اس شخص کو یہ نگرانی بہت دشوار معلوم ہوئی اور سونے کا صاف کرا کے خالص ظروف بنوانا نہایت شاق گذرا۔ اس لئے اس نے کھوٹے سونے ہی کے ظروف بنوا بنوا کر بھیجنے شروع کئے اور اس میں اس شخص کو یہ فوری فائدہ بھی معلوم ہوا کہ ظروف کھوٹے سونے کے بنواتا تھا اور حساب میں خالص سونا دکھاتا تھا اس طرح بہت سا سونا اس کی جیب میں جاتا تھا۔ اس کے بعد تیسرا شخص مقرر ہوا۔ اس نے ہر ظرف کی تیاری میں سونے کی مقدار کم کی اور کھوٹ بڑھا دیا۔ اس کے بعد ایک اور صاحب آئے' انہوں نے پیتل کے ظروف بنوائے اور ان پر سونے کا ملمع کرایا۔ ان کے بعد ایک اور آیا جس نے پیتل کے ظروف بنوائے اور انہیں ملمع بھی نہیں کرایا پھر ایک اور صاحب آئے انہوں نے سونے کے رنگ' کے شیشوں ہی پر اکتفا کیا اور ان کے بعد والے نے تو خاتمہ ہی کر دیا کہ خزانہ کو لوٹا' ساروں کو قتل کیا' سانچوں کو توڑا اور بغاوت کا اعلان کر دیا۔ ایسی صورت میں اس بادشاہ کی یہ رائے صحیح اور حق بجانب ہے یا نہیں کہ اس شہر کی طرف ایسے لوگ بھیجے جو مال مسروقہ کو برآمد کرنے کے بعد خزانہ میں جمع کرائیں اور سرکشوں اور باغیوں سے انتقام لیں یا ان کو گرفتار کر کے ان کا قصور معاف کر دیں اور اس شہر کے باشندوں سے اتنے برسوں کا بقایا وصول کریں اور جو کھوٹے ظروف انہوں نے بھجوائے تھے ان کو واپس کر کے ان سے خالص سونے کے نئے ظروف بنوائیں۔ اسی طرح جن ظروف میں نام کو بھی سونا نہیں تھا انہیں بھی نئے سرے سے بنوائیں۔ کیا بادشاہ کا ایسا کرنا مقتضائے انصاف نہیں (صفحہ ۲۰۶' ۲۰۷)

تشریح:۔ حضرت مسیحؑ اس تمثیل کے ذریعے یہ تعلیم دیتے ہیں کہ جس طرح دنیاوی بادشاہ خائنوں اور سرکشوں کو سزا دیتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ جو تمام بادشاہوں کا بادشاہ ہے بدکاروں' سرکشوں اور دین میں خیانت کرنے والوں کو سزا دئے بغیر نہیں چھوڑے گا ہاں جسے چاہے گا معاف بھی کر دے گا۔

طاؤس اور چتکبرا کوا

ایک سوداگر کسی ملک میں پہنچا وہاں کے بادشاہ نے اس کی دعوت کی جب سوداگر بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوا تو جتنی قسم کی چیزیں بادشاہ کے خزانے اور ملک میں تھیں سب اس کو دکھائیں اور پوچھا کہ تم ہماری کسی چیز میں کوئی نقصان یا کوئی عیب بھی پاتے ہو۔ اس تاجر نے کہا کہ بادشاہ سلامت! میں نے کوئی چیز ایسی نہیں دیکھی جو آپ کے لائق نہ ہو' صرف اتنی بات ہے کہ میں چاہتا تھا کہ آپ کے یہاں ایک مور بھی ہوتا جس سے آپ کو فرحت و مسرت اور آپ کی مجلس کی زیب و زینت ہوتی۔ بادشاہ نے پوچھا کہ مور کیا چیز ہے ؟ تاجر نے اس کی کیفیت بیان کی۔ جب وہ سوداگر بادشاہ سے رخصت ہو کر چلا گیا تو بادشاہ نے اپنے یہاں کے ایک ذی رتبہ عہدہ دار کو بلا کر اور بہت سا مال اس کے

حوالہ کر کے حکم دیا کہ جس ملک میں مور ہوتے ہیں وہاں سے تم ہمارے لئے مور خرید لاؤ لیکن اس شخص نے سفر کی تکلیف سے جی چرایا اور مور کے لئے مصارف کا اٹھانا اس کو برا معلوم ہو اور جو مال اس کام کے لئے دیا گیا تھا اس کو اس نے ہضم کرنا چاہا پس اس نے ایک چت کبرا کوا پکڑ کر مختلف رنگوں سے اس کو ایسا رنگا کہ مور کے مشابہ معلوم ہو اور اس کو لے کر بادشاہ کے پاس حاضر ہو اور عرض کی کہ حضور کے اقبال سے قریب ہی میں ہاتھ آ گیا۔ میں نے اس مال سے جو حضور سے مرحمت ہوا تھا خرید کر حاضر کیا ہے۔ بادشاہ نے اس کو لے لیا اور بہت پسند کیا۔ ایک مدت کے بعد وہ سوداگر دو مور بادشاہ کے لئے تحفہ لے کے پہنچا۔ جب اس کی باریابی ہوئی تو بادشاہ نے بہت عنایت و الطاف کے ساتھ اس سے باتیں کیں اور اس سے ذکر کیا کہ تمہارے جانے کے بعد ہمارے ہاتھ وہ جانور آ گیا جس کی تعریف تم نے بیان کی تھی۔ واقعی وہ بہت خوبصورت اور تعجب انگیز پرندہ ہے۔ سوداگر نے کہا کہ اب حضور کی مسرت دوبالا ہو جائے گی اس لئے کہ میں بھی دو مور حضور کے لئے تحفہ لایا ہوں (قبل اس سے کہ سوداگر مور پیش کرتا) بادشاہ نے اسے دکھانے کے لئے اس چت کبرے کوے کو منگوایا۔ سوداگر کے بدن میں تو اس کو دیکھتے ہی آگ لگ گئی اور بادشاہ کی عظمت اور کوا لانے والے کی جرات کا خیال کر کے اسے بہت غصہ آیا۔ اس نے کہا کہ حضور عالی! اس کوے کے لانے والے نے آپ سے فریب و دغا کی وہ شخص نہ آپ سے ڈرتا ہے نہ آپ کا خیر خواہ ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنے دونوں مور منگوائے۔ بادشاہ انہیں دیکھ کر سمجھا کہ بیشک یہ جانور اس سے بدرجہا بہتر ہے اور اس کو اپنے ملازم کی فریب دہی کا یقین ہو گیا۔ بادشاہ نے اس کو طلب کیا' وہ شخص بھی اپنے جرم کو جان گیا مگر اس نے انکار کے سوائے بچنے کی کوئی صورت نہیں دیکھی۔ اس نے کہا کہ بادشاہ سلامت! مور وہی ہے جو میں لایا ہوں اور وہ خوبصورت و مبارک جانور ہے اور یہ دونوں تو منحوس جانور ہیں جس کے پاس رہتے ہیں وہ ہلاک ہی ہو جاتا ہے۔ سوداگر نے کہا کہ حضور اس سے یہ پوچھیں کہ تیرے جانور کا رنگ 'اصلی اور پیدائشی ہے یا مصنوعی؟ چنانچہ بادشاہ نے یہ سوال کیا تو اس نے کہا کہ پیدائشی ہے تب اس سوداگر نے گرم پانی اور

رنگ کاٹنے کا مسالہ منگوایا اور اس سے کوے کو آہستہ آہستہ دھو کر صاف کیا پھر ہاتھ میں لے کر اس کو پونچھا اور خشک کیا تو اس کا اصلی رنگ نکل آیا۔ دیکھا تو خالص ابلق کوا ہے۔ یہ دیکھ کر اس کے لانے والے کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اور نہایت ذلیل و رسوا ہوا لیکن بادشاہ نے سوداگر سے کہا کہ چونکہ اس کوے میں دھوکا اور فریب تھا اس لئے میں مجبور ہوں کہ تمہارے دونوں جانوروں کا بھی ویسا ہی امتحان کروں جیسا تم نے اس کوے کا کیا۔ سوداگر نے بکشادہ پیشانی اسے قبول کیا آخر بادشاہ کے حکم سے دونوں طاؤس بھی خوب مل مل کر دھوئے گئے تو ان کا رنگ اور بھی نکھر آیا اور پہلے سے زیادہ چمکنے لگا۔ بادشاہ نے ان دونوں کو قبول کیا۔ تاجر کی بڑی قدر و منزلت کی اور کوا لانے والے کے لئے سزا کا حکم صادر کیا۔

تشریح:۔ یہ تمثیل بیان کر کے حضرت مسیحؑ خود اس کی یوں تشریح فرماتے ہیں:۔

الحاصل بعینہ یہی حالت دین کی بھی ہے وہ سوداگر تو گوتم بدھ کو سمجھو اور وہ عہدہ دار شاہی جس نے کوے کو رنگ کر طاؤس کے نام سے پیش کیا تھا مقتدایان بت پرست ہیں اور طاؤس خدائی دین اور رنگین کوا وہ بدعت ہے جو تمہارے پیشواؤں نے دین (کے نام پر) دھوکا دینے کے لئے ایجاد کی ہے جن کو تم نے اور تم جیسے دوسروں نے جن کو نیکی کی رغبت تھی دھوکا کھا کر قبول کر لیا لیکن وہ شخص (یعنی مسیحؑ) پہنچ گیا ہے جو **مصنوعی رنگ کو دھو کر جس پر حقیقی رنگ ہونے کا گمان ہوتا ہے اصل رنگ ظاہر کرے گا** اور حکمت کو اس کی کامل صورت میں جلوہ گر کریگا اور لوگوں پر اس کی خوبی و بزرگی کو روز روشن کی طرح عیاں کر دے گا (صفحہ ۲۴۲)

دین ایک ہی ہے

امر حق خدا ہی کی طرف سے آیا اور خدا ہی نے بندوں کو اس کی طرف بلایا ہے۔ مگر ایک قوم نے اس کو ٹھیک ٹھیک اور ساری شرطوں کے ساتھ اس کی اصلی صورت میں

قبول کر لیا اور دوسری قوم نے اس کو اس طرح پر قبول نہیں کیا اور اس پر عمل کرنے کا
ارادہ وہمت نہیں کی، بلکہ اس کو دشوار اور گراں سمجھا اور ظاہر ہے کہ برباد کرنے والا
درست کرنے والے کی برابری نہیں کر سکتا اور گھبرانے والا صبر کرنے والے کے مثل نہیں
ہو سکتا پس اس وجہ سے ہم ان لوگوں سے بڑھ کر اہل حق ہیں۔ (یاد رکھو) کہ کسی شخص
کے منہ سے کوئی بات دنیا سے بچنے اور آخرت کو چاہنے کی ایسی نہیں نکلتی ہے جو اس
خدائی دعوت سے ماخوذ نہ ہو جس سے ہم نے باتیں لی ہیں لیکن ہمارے اور ان کے
درمیان میں ان چیزوں نے تفرقہ ڈال دیا ہے جو ان لوگوں نے اپنے اس نفس کی پیروی سے
نئی نکالی ہیں جو برائی کا حکم دینے والا اور لذتوں میں پھنسانے والا ہے اور اصل یہ ہے کہ
خدا کی طرف سے اگلے زمانے میں ہمیشہ تھوڑی تھوڑی مدت کے بعد پیغمبروں کے ذریعہ
سے مختلف زبانوں میں دعوت آتی رہی ہے اور ہر دعوت کی ایک ہی حالت اور ایک ہی
مقصد رہا ہے اور ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ سچا اور قوی تھا مگر ہر پیغمبر کے زمانے کے بعد
ہر دعوت میں ایک ایسی قوم شامل ہوتی گئی جو واقع میں اس کے لائق نہ تھی۔ یہ لوگ ایسی
بدعتیں ایجاد کرتے گئے جو اصل کے موافق نہ تھیں یہاں تک کہ اصل مقصد کی صورت
بدل گئی، حق کی راہ گویا رک گئی مگر اس فعل سے سچی بات مٹی نہیں بلکہ قائم، روشن، باقی
رہی اور بدعتیں ایجاد کرنے والے باایں ہمہ اسی کا نام لیتے اور اسی کا اقرار کرتے اور اسی
کی بعض شرطوں کو پہچانتے اور اسی کی شناخت بتاتے رہے۔ پس جو لوگ کہ ہماری طرح
دنیا سے نفرت دلانے والے اور آخرت کی طرف جھکانے والے ہیں ان کے مخالفوں کی
زبانوں پر بھی کچھ حق کی باتیں باقی رہ گئیں جو اس سچے اصول کا اثر اور پرتو ہیں جس پر ہم
فی الحقیقت چلتے ہیں اس لئے ہمارے اور ان کے درمیان میں فرق یہ ہے کہ گو وہ لوگ
قول اور صفت میں ہمارے موافق ہیں مگر فعل اور سیرت میں ہمارے مخالف اور ہم ان میں
سے کسی کی مخالفت نہیں کرتے مگر اس وقت جب ہمارے پاس بین دلیل اور عادل گواہ
موجود ہوتے ہیں اور وہ دلیل و گواہ باقی ماندہ کتابیں ہیں جو ان لوگوں کے پاس ہیں اور ان کی
نسبت وہ اقرار بھی کرتے ہیں کہ خدا کی بھیجی ہوئی ہیں۔ یہی کتابیں بتاتی ہیں کہ جو باتیں

خدا شناسی کی کہی جاتی ہیں وہ ہمارے لئے ہیں نہ کہ ان کے لئے یعنی ان کے لائق ہم ہیں نہ
کہ وہ۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہمارے اوصاف و اوضاع اور عمل و سیرت ان کتابوں کے
مطابق ہیں اور ان کی سب باتیں ان کتابوں کے مخالف۔ پس وہ لوگ ان کتابوں کا صرف
وصف ہی جانتے اور دین کا فقط نام ہی لیتے ہیں اس پر عمل کرنے والے نہیں ہیں۔ (صفحہ
۴۷، ۴۸)

انبیاء کی آمد کے موسم

کیا تم نہیں دیکھتے کہ جو شخص باغ لگاتا اور اس کو آباد کرتا اور اس میں قسم قسم کے
درخت نصب کرتا اور طرح طرح کے پھول لگاتا ہے، موسم سرما میں باغ میں جاتا ہی نہیں
ہے مگر جب بہار کا موسم آتا ہے اور درختوں میں پھول اور پھل لگتے اور گملوں میں کلیاں
اور شگوفے ظاہر ہوتے ہیں تو باغ میں جاتا اور وہیں ڈیرے ڈالتا ہے اور پھولوں اور پھلوں
سے لطف و تمتع حاصل کرتا ہے اسی طرح سے انبیاء و رسل بھی کسی زمانہ میں آتے ہیں،
اور کسی میں نہیں آتے اور ہر زمانہ کا تقاضا الگ ہوتا ہے جیسے بہار و خزاں کے زمانہ کا تقاضا
پھولوں اور پھلوں کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔ (صفحہ ۴۹)

دنیا کی حقیقت

دنیا بے شبہ ویسی ہی ہے جیسی تعریف اس کی خدا تعالیٰ نے کی ہے "کھیل اور تماشا
اور زینت اور آپس میں ایک دوسرے پر بڑائیاں جتانا اور مال و اولاد کی کثرت مین منہمک
رہنا اور پھر انہیں کھو دینا"۔ میں نے اہل دنیا کو مصیبتوں اور بلاؤں میں ہمیشہ پھنسا ہی دیکھا
ہے۔ اس سے فائدہ کم اور رنج ہی زیادہ اٹھاتے پایا ہے۔ یہاں کے عیش کو سراپا کلفت اور
فراخ حالی کو بالکل عسرت سمجھا ہے اور اگر بالفرض کوئی شخص ایسا ہو کہ دنیا ہاتھ جوڑ کر اس
کے پاس حاضر ہو جائے اور اپنی ساری مسرتیں اور نعمتیں اور لذتیں لا کر اس کی نذر کر
دے تاکہ وہ ہر طرح کے فائدے اور حظ اٹھائے اس کے ساتھ قضا و قدر بھی اس کی کل
آرزوئیں پوری کرے اور خواہشیں برلائے اور ہر طرح کی آفتوں اور بلاؤں سے محفوظ اور

مکروہات اور برائیوں سے مامون ہو اور سب عزیز و قریب اور بھائی برادر اس کے موافق ہوں اور اپنے دشمنوں اور حاسدوں سے امن میں ہو اور بال بچوں کے اعتبار سے بھی اس کا دل ٹھنڈا ہو۔ بادشاہ کے دربار میں اس کی بڑی عزت ہو اور عامتہ الناس کے دل میں اس کی محبت ہو اور پھر جتنی باتیں اسے حاصل ہوں سب سے اس نے فائدہ بھی اٹھایا ہو اور اس پر رشک بھی کیا ہو' بڑی آن بان اور نہایت شوکت و شان سے اس نے زندگی بسر کی ہو۔ جس چیز کی آرزو کی ہو وہ پوری ہوئی اور جو خواہش پیدا ہوئی ہو وہ بر آئی ہو اور اس کے اقبال و دولت کی لوگ قسمیں کھاتے ہوں اور رعب و داب کا سکہ سب جگہ بیٹھ گیا ہو تب بھی باوجود ان سب باتوں کے اس کی خوشحالی و فارغ البالی کی انتہائی مدت سو برس ہے یہاں تک کہ اس کا جسم فرسودہ ہو جائے گا اس کے چہرے اور بالوں کی رنگت بدل جائے گی گوشت اور پوست ڈھیلا پڑ جائے گا۔ قوت میں کمی آجائے گی بصارت کمزور ہو گی۔ اہل و عیال اور دوست و احباب چھوڑ بیٹھیں گے۔ عزت' ذلت سے بدل جائے گی اور رعب و دبدبہ ہوا ہو جائے گا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کی نشانیاں غایتہ الامرتین سو برس تک رہیں گی اور بعد اس کے اس کا سارا اندوختہ متفرق ہو گا اور اس کا کیا دھرا منتشر۔ اس کی بنائی ہوئی عمارتیں خراب و ویران اور اس کا نام مٹ جائے گا اور ذکر بھلا دیا جائے گا۔ حسب کا نشان تک باقی نہ رہے گا اور نسب کا نام تک کوئی نہ لے گا۔ آل حیران اولاد پریشان۔ کوئی روٹیوں کو محتاج تو کوئی کپڑوں کو' گویا اس نے کچھ کمایا ہی نہ تھا اور چپہ بھر زمین کا بھی مالک نہ ہوا تھا۔ عزت و اقتدار کے مالک تو اس زمانہ کے اہل حکومت و عہدہ ہوں گے اور متاع و مال کے وارث وہ لوگ جن کی روزی و میراث خدا اس میں مقرر کر دے گا۔

پس جب میں نے دیکھا کہ آدمی جو کچھ اکٹھا کرتا ہے وہ بکھر جاتا ہے اور جو کچھ حاصل کرتا ہے وہ چھن جاتا ہے سوائے پرہیز گاری اور نیک کام کے کہ یہ نہ چھنتا ہے نہ پرانا ہوتا اور نہ ضائع جاتا ہے تو میں نے اپنی عقل و خواہش اور محبت و قول سب کو نیکو کاری اور پرہیز گاری ہی پر مائل کیا کیونکہ جو کچھ ہم حاصل کر سکتے ہیں اس میں سب سے اعلیٰ اور

افضل یہی ہے۔ جو شے اچھے کام کرنے اور برے کاموں سے بچنے کی رغبت دے سکتی ہے سب سے زیادہ خدائے عزوجل کی تصدیق ہے۔ اسی سبب سے یہ کمائی میری کمائی ہے اور یہی تصدیق میرا عقیدہ اور جب سے میں نے اس کو جانا اور سمجھا ہے حتی المقدور اچھے کام کرنے اور برے کاموں سے بچنے کو دوست رکھتا ہوں اور اپنے مالک کے وعدوں کو سچا جانتا ہوں اور موت کے بعد اٹھنے اور بہشت و دوزخ کے موجود ہونے پر یقین و ایمان رکھتا ہوں اور اے شہزادے! جو شخص ہمیشہ کے لئے سچائی کو اختیار کرے گا اور دین کی بنیاد علم پر رکھے گا گو وہ تھوڑا ہی عمل کرے اور شبہ سے بچا رہے تو خطا سے محفوظ رہے گا اور ایسے شخص کا راستی آمیز تھوڑا سا کلام اس شخص کی بہت سی باتوں سے جو جھوٹ ملاتا ہے بہتر ہوتا ہے اور مرد عاقل پر واجب ہے کہ خاص کر اپنے نفس پر حکومت و سیاست اسی طرح سے کرے جس طرح کہ ایک عاقل اور عالم حاکم رعایا پر کرتا ہے یعنی وہ جس چیز میں ان کی بھلائی دیکھتا ہے اس کے کرنے کا حکم دیتا ہے جس میں ان کی برائی سمجھتا ہے ان سے روک دیتا ہے پھر جو شخص اس کی نافرمانی کرتا ہے اس کو سزا دیتا اور جو فرمانبرداری کرتا ہے اس کو جزا دیتا ہے اور اسی طرح سے اس پر اپنے گھر والوں کی سیاست بھی واجب ہے کہ ان کی تدبیر معاش کا خیال اور ان کے اعمال و افعال پر نظر رکھے اور تاکید سے اپنے حکم کی تعمیل کرائے اور جو شخص حکم نہ مانے اس کی پوری تادیب کرے اور اپنے نفس کی سیاست اس طرح سے شروع کرے کہ اس کے سارے اخلاق اور اس کی خواہشوں پر غور کرے تاکہ نفس اچھی باتوں پر ہمیشہ قائم اور بری باتوں سے برابر بچتا رہے اس پر کچھ ریاضت واجب و لازم کر دے۔ پھر نفس کے لئے خود نفس ہی کی طرف سے جزا و سزا مقرر کر دے یعنی جب اچھے فعل کرے تو اس کو خوش ہونے دے اور جب برائی کا مرتکب ہو تو اس کو مذمت و ندامت کا نشانہ بنائے' کیونکہ عالم و فاضل پر فرض ہے کہ جتنے امور اس کو پیش آئیں سب پر غور کرے جو صواب ہوں ان کو اختیار کرے اور جو خطا ہوں ان کو چھوڑ دے اور اپنے نفس و رائے اور عمل کو حقیر سمجھے اس لئے کہ عقل والوں کے نزدیک یہ فعل پسندیدہ ہے اور نادانوں کے نزدیک نازیبا۔ ساری بھلائیاں خدا کے حکم سے عقل ہی کے ذریعے معلوم

ہوتی ہیں اور جہل نفوس کا ہلاک و تباہ کرنے والا ہے اور عقل والوں نے جتنی باتیں اپنی عقل سے دریافت کیں اور اپنے تجربہ سے پائیں اور اپنی بصارت سے حاصل کی ہیں ان میں سے سب سے مستحکم بات یہ ہے کہ آدمی کو نفسانی خواہشوں سے دور رہنا اور ہوا و ہوس کو چھوڑ دینا چاہئے۔ (صفحہ ۴۷ تا ۷۷)

تقدیر و تدبیر

تقدیر و تدبیر بمنزلہ روح و جسم کے ہیں۔ روح بغیر جسم کے کچھ کام نہیں کر سکتی اور جسم بغیر روح کے کے صرف مٹی کی مورت ہے مگر جب دونوں جمع ہو جاتے ہیں تو دونوں قوی اور کام کے قابل ہو جاتے ہیں یہی حال تقدیر و تدبیر کا بھی ہے اگر تقدیر کے ساتھ تدبیر نہ ہو تو نتیجہ حسب خواہش نہیں نکلے گا اور اگر تدبیر بغیر تقدیر کے کی جائے تو وہ پوری نہ ہو گی مگر یک جا ہونے سے دونوں قوی ہو جاتی ہیں اور مقصد پورا ہوتا ہے (یاد رکھو) تقدیر وہ ہے جو لازمی طور پر ہو کر رہے اور عمل و تدبیر ہونے والی شے کی علت ہے پس جب تقدیر نے یاوری کی اس شے کا ہونا یقینی ہو گیا اور اس کا وجود ظاہر ہوا۔ (صفحہ ۸۴)

نیکی کا معیار

سب سے زیادہ عادل وہ ہے جو دوسروں کے حق میں اپنے نفس کے لحاظ سے انصاف کرے۔ سب سے زیادہ ظالم وہ ہے جو اپنے ظلم کو انصاف اور اہل ہدایت کے انصاف کو ظلم جانے۔ سب سے زیادہ ہوشیار وہ ہے جو آخرت کے لئے دنیا میں سامان جمع کر رکھے اور سب سے زیادہ بیوقوف وہ ہے جس کا مقصود دنیا اور جس کا عمل گناہ ہو اور سب سے زیادہ نیک بخت وہ ہے جس کا خاتمہ بخیر ہو اور جو شخص دوسروں کے ساتھ اس طرح پیش آئے کہ اگر دوسرے بھی اس کے ساتھ اسی طرح پیش آئیں تو وہ ہلاک ہو جائے اس شخص کا برتاؤ اور طریقہ شیطانی ہے اور جو شخص لوگوں کے ساتھ اس طرح پیش آئے کہ اگر وہ بھی اس کے ساتھ اسی طرح پیش آئیں تو اس کی حالت سنور جائے تو اس شخص کا طریقہ رحمانی ہے۔ تجھ کو یہ بھی لازم ہے کہ اچھی بات کو گو وہ بدکاروں میں ہو برا نہ سمجھے

اور بری بات کو گو وہ نیکو کاروں میں ہو اچھا نہ جان۔ رائیگاں جانے والی چیزوں میں سے اول وہ محنت ہے جو خدا کی نافرمانی میں اٹھائی جائے اور رائیگاں جانے والا دوسرا عمل بتوں اور مورتوں کی عبادت ہے۔ تیسرے متکبر و مغرور آدمی کو دیا جانے والا مشورہ ہے جسے وہ قبول نہیں کرتا۔ (صفحہ نمبر ۸۵)

بت پرستوں کو حکیمانہ نصیحت

اے شہزادے! تیری قوم نے گو اپنے بتوں کو اپنے ہی ہاتھ سے گھڑا ہے مگر یہ جھوٹا خیال رکھتی ہے کہ بت ہی اس کے پیدا کرنے والے ہیں ----- اور گو خود ان کی نگہبانی اس ڈر سے کرتی ہے کہ کہیں وہ چوری نہ ہو جائیں لیکن زعم باطل یہ ہے کہ وہ اس کے محافظ ہیں ----- علاوہ اس کے تیری قوم اپنی کمائی بھی ان پر خرچ کرتی ہے اور یہ لغو گمان کرتی ہے کہ وہی اسکے روزی دینے والے ہیں۔ پس یہ لوگ بتوں سے وہ چیز چاہتے ہیں جو مل نہیں سکتی اور ایسی باتوں کو سچ جانتے ہیں جو انہونی ہیں۔ (صفحہ ۸۴)

حضرت مسیحؑ کی معراج

تمثیل ہے کہ ایک ظالم، بت پرست اور انتہا درجے کے بدکار بادشاہ کے ہاں بہت دعاؤں اور منتوں کے بعد بیٹا پیدا ہوا۔ بیٹے کی پیدائش پر بادشاہ نے سارے ملک میں جشن عام کا اعلان کر دیا۔ پر تکلف، دعوتوں، رقص و سرود، مجروں، مے نوشی کی محفلوں اور کھیل تماشوں سے شہزادے کی پیدائش کا استقبال کیا گیا۔ جب یہ بچہ سن شعور کو پہنچا تو بادشاہ نے محسوس کیا کہ اسے دنیا اور اس کی رنگینیوں سے قطعاً دلچسپی نہیں، بس ہر وقت دکھی انسانیت اور آخرت کے بارے میں سوچتا رہتا ہے یہ دیکھ کر بادشاہ کو بڑا قلق ہوا اور اسے یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ یہی تو اس کا ولی عہد سلطنت ہے۔ اسی پر تو اس کی حکومت و سلطنت کے قیام و بقا کا انحصار ہے۔ اگر اس نے امور سلطنت کی طرف توجہ نہ دی تو اس کا تاج و تخت کون سنبھالے گا، وہ اسی سوچ میں مستغرق رہنے لگا۔ بادشاہ کا ایک وفادار

مصاحب بادشاہ کے اس کرب سے باخبر تھا' اسے اپنے آقا کی حالت پر بہت قلق تھا اور سوچتا تھا کہ کس طرح اس کی فکر و پریشانی کو دور کرے؟ آخر بہت سوچ بچار کے بعد ایک ترکیب اس کے ذہن میں آئی۔ وہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ یہ غلام ایک تمثیل جہاں پناہ کو سنانا چاہتا ہے۔ بادشاہ نے کہا سناؤ۔ (خلاصہ)

تمثیل:- ایک بادشاہ کے گھر بیٹا پیدا ہوا۔ شاہی نجومیوں اور کاہنوں نے اس کا زائچہ بنایا اور بادشاہ کو بتایا کہ جہاں پناہ! اپنی عمر کے دس سال پورے ہونے سے قبل شہزادے کی نظر اگر آفتاب پر پڑ گئی تو یہ زندہ نہیں رہے گا اور بہت جلد مر جائے گا۔

یہ سن کر بادشاہ نے (وزیر تعمیرات) کو حکم دیا کہ زیر زمین ایک خوبصورت محل تعمیر کیا جائے جب محل تیار ہو گیا تو اس میں نومولود شہزادے کی پرورش کے تمام سامان مہیا کر دیئے گئے۔ جب اس کے دودھ پلانے کا زمانہ ختم ہو گیا تو اس کی انا (دودھ پلانے والی) کو رخصت کر کے نہایت مہذب' شائستہ اور عالم فاضل لوگوں کو متعین کیا گیا جو شہزادے کی تعلیم و تربیت کا فریضہ ادا کرتے تھے۔ آخر اس کی عمر کے دس سال پورے ہونے کو آئے' اس مدت میں اس نے ان چیزوں کے سوائے اور کچھ نہیں دیکھا جو زیر زمین محل میں اس کے لئے مہیا کی جاتی تھیں اس لئے وہ دنیا اور اس کے حالات سے بالکل ناواقف تھا۔

جب اس کی عمر کے دس سال گذر گئے تو بادشاہ نے حکم دیا کہ شہزادے کو نہایت خوبصورت اور ولی عہدوں کا لباس پہنا کر زیر زمین محل سے باہر لایا جائے اور شہر میں سے گزارا جائے۔ چنانچہ ان تمام راستوں کو جدھر سے شہزادے کی سواری گذرنی تھی بہت خوبصورتی سے آراستہ کیا گیا اور بادشاہ کے حسب حکم دنیا میں پائی جانے والی تمام جاندار و بے جان اشیا تھوڑے تھوڑے فاصلے سے راستوں کے دونوں اطراف میں قرینے سے سجا دی گئیں۔ جن لوگوں کو شہزادے کی سواری کے اردگرد متعین کیا گیا تھا انہیں ہدایت کر دی گئی کہ شہزادہ جس چیز کا نام پوچھے اسے بتایا جائے اور اس کی پہچان کرا دی جائے۔ چنانچہ جب بھی وہ کسی چیز کے پاس سے گذرتا اور اس کا نام پوچھتا' فوراً اسے بتا دیا جاتا۔ یہاں تک کہ وہ نہایت حسین و جمیل اور پری چہرہ عورتوں کے پاس سے گذرا انہیں دیکھ کر اس

نے پوچھا ان کا کیا نام ہے۔ اسے بتایا گیا کہ یہ "شیاطین" ہیں' یہ مرد کو آفتوں میں پھنساتی اور اسے گمراہ کر دیتی ہیں۔ شہزادے نے جتنی چیزیں دیکھی تھیں ان میں سے اسے سب سے زیادہ یہی نازک اندام اور زہرہ جمال عورتیں پسند آئیں اور انہی کی صورت اس کی آنکھوں میں کھب گئی۔

جب شہزادہ اپنے باپ کے محل میں آیا تو اس نے بیٹے سے پوچھا کہ آج تم نے جتنی چیزیں دیکھیں ان میں تمہیں کون سے چیز سب سے زیادہ پسند آئی؟ شہزادے نے جواب دیا کہ آج میں نے جتنی چیزیں دیکھیں ان میں مجھے سب سے زیادہ پسند وہ چیز آئی جس کا نام "شیاطین" ہے اس سے زیادہ خوبصورت اور دل ربا کوئی چیز مری نظر سے نہیں گزری۔

یہ تمثیل سنا کر بادشاہ کے مصاحب نے عرض کیا کہ جہاں پناہ آپ شہزادے کا دل آخرت کی طرف سے پھیرنے کے لئے جن چیزوں سے مدد لینا چاہیں ان میں ان "شیاطین" (حسین عورتوں) سے بہتر اور مفید مطلب اور کوئی چیز نہیں۔ بادشاہ کو یہ تجویز بہت پسند آئی اور اس نے اسی وقت وزیر دربار کو طلب کیا اور حکم دیا کہ شہزادے کی خدمت پر جتنے لوگ مامور ہیں ان سب کو وہاں سے ہٹا دیا جائے اور چار ہزار خوبصورت عورتیں شہزادے کے محل میں متعین کر دی جائیں۔ چنانچہ بادشاہ کی زیر قبضہ تمام ریاستوں سے حسین ترین دوشیزائیں جو فی الواقعہ رہزن دین و ایماں تھیں لائی گئیں اور سارا محل ان زہرہ جمال عورتوں سے بھر گیا۔ یہی محل کی حفاظت پر مامور تھیں اور شہزادے کی ہر خدمت انہی کے سپرد تھی (یعنی اس کی خواب گاہ کی آرائش و زیبائش' اسے خواب سے بیدار کرنا' اسے حمام کرانا' اس کے لئے کھانا چننا' اس کے لئے ہر روز نیا لباس مہیا کرنا اور لباس تبدیل کرنے میں اس کی مدد کرنا' اسے سیر کے لئے باغوں اور نہر پر لے جانا) غرض خلوت و جلوت میں یہ نازک اندام اور حسین عورتیں اس کے چاروں طرف رہتیں۔ بادشاہ نے ان عورتوں کو حکم دیا کہ زیادہ سے زیادہ بناؤ سنگھار کر کے اور زرق برق لباس پہن کر شہزادے کے سامنے سے گذرا کریں اس سے چھیڑ چھاڑ' ہنسی مذاق اور چہلیں کیا کریں اور پوری کوشش کریں کہ وہ ان میں سے کسی ایک کی طرف ضرور مائل ہو جائے۔

بادشاہ کا اشارہ پاتے ہی یہ پرلے درجے کی قطامائیں اپنے حسن کے سنہرے جال لے کر آ گئیں اور کافرانہ عشوہ و ادا سے اس کا دل لبھانے لگیں۔ ان میں سے بعض نے سپاہیانہ لباس زیب تن کئے اور گھوڑوں پر سوار ہو کر اس کے گھوڑے کے ساتھ دوڑنے اور اسے اپنی طرف متوجہ کرنے لگیں، بعض نے ساڑھیاں اس طرح باندھیں کہ اندر کا سارا جسم جھلکتا تھا، بعض برائے نام لباس پہن کر شہزادے کے سامنے ایک دوسرے سے اس طرح کھینچا تانی کرتیں کہ بار بار برہنہ تن ہو جاتیں اور کبھی اس کے بالکل قریب آ کر دعوت نظارہ دیتیں اور اس سے چھیڑ چھاڑ کرتیں۔ غرض بے حیائی اور عریانی کی کوئی ادا ایسی نہیں تھی جو انہوں نے شہزادے کو شکار کرنے کے لئے نہ دکھائی اور نہ آزمائی ہو مگر آفریں ہے شہزادے پر کہ اس نے ان مرمریں جسم اور گداز بدن عورتوں میں سے کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔ جب ان عورتوں نے دیکھا کہ شہزادہ ان میں سے کسی کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تو عشقیہ گیت گانے اور موسیقی کی آوازوں سے اسے رام کرنے کی کوشش کرنے لگیں۔ ان میں سے بعض نے شہزادے کے ساتھ زبردستی بے تکلفی پیدا کرلی، یہ بہت پڑھی لکھی لڑکیاں تھیں اور اپنے علم کے زور پر شہزادے کو اس کی رائے سے متزلزل کر کے بادشاہ کا ہم خیال بنانے کی کوشش کرنے لگیں مگر انہیں بھی ناکامی ہوئی۔

ان عورتوں میں کسی راجہ کی بھی ایک بیٹی تھی جو حسن و جمال، علم و فضل اور ذہانت و فراست میں سب عورتوں پر فائق تھی۔ اس کی فصاحت بیان اور دانائی نے شہزادے کو بہت متاثر کیا کیونکہ دوسری عورتوں کی طرح یہ نہ تو اوباشانہ حرکتیں کرتی اور نہ نازو انداز دکھا کر شہزادے کا دل لبھاتی بلکہ بہت ہی سنجیدہ اور حیا کا پیکر ہو کر اس کے سامنے آتی اور اس سے گفتگو کرتی۔ ان آبرو باختہ اور حیا سے عاری عورتوں میں اس عورت کا دم شہزادے کو غنیمت محسوس ہوا۔ یہ خیال کر کے کہ یہ عورت ایک راجہ کی بیٹی ہے، صاحب علم و فضل اور عقیل و فہیم ہے شہزادہ اس سے عارفانہ گفتگو کرنے لگا اور اس کے سامنے دنیا کی بے ثباتی اور اس عارضی حسن و جمال کے فانی ہونے کی بابت ایسے نکات بیان کرنے لگا جو سفلی جذبات کی بیخ کنی کرتے تھے۔ راج کماری بہت توجہ سے شہزادے کی باتیں سنا

کرتی اور ان میں دلچسپی لیتی۔ آخر جب دونوں میں کسی قدر بے تکلفی ہو گئی تو ایک دن راج کماری نے شہزادے سے کہا کہ اے شہزادے! اگر تو چاہتا ہے کہ میں **تیرا دین** قبول کر لوں تو میرے ساتھ ایک سال تک داد عیش دے۔ اگر تو نے ایک سال تک مجھے اپنے ارمان پورے کرنے کا موقع دیا تو میں خدا کو درمیان میں لا کر تجھے قول دیتی ہوں کہ **تیرا دین ضرور قبول کرلوں گی۔**

شہزادہ سمجھ گیا کہ یہ اسے رام کرنے کے لئے سب سے نرالا جال لائی ہے پس اس نے اس حسینہ کی باتوں کا کوئی جواب نہ دیا۔ یہ دیکھ کر راج کماری نے ایک اور پہلو بدلا اور بولی کہ تو اپنے دین کا کیسا بہی خواہ اور داعی ہے کہ ایک عورت تیرے دین میں داخل ہونا چاہتی ہے اور تو اسے ٹھکراتا اور ثواب سے محروم کرتا ہے۔ اچھا اگر ایک سال نہیں تو میں ایک مہینے ہی پر قناعت کرلوں گی۔ اگر تجھے ایک ماہ بھی منظور نہیں تو اچھا ایک رات ہی سہی۔ اب تو یہ مدت زیادہ نہیں۔ کیا اللہ کی ایک بندی کی خاطر جو تیرے دین میں داخل ہونا چاہتی ہے تو چند گھنٹے قربان کرنے میں بھی بخل کرے گا؟ (1)

(تمثیل میں آگے چل کر بیان کیا گیا ہے کہ) شیطان کہاں باز آنے والا تھا وہ بدستور خوبصورت نازنینوں کو سجا بنا کر شہزادے کے پاس بھیجتا، وہ اپنے بناؤ سنگھار اور اپنے عشوہ و ادا کے ذریعے اسے اپنا گرویدہ کرنے کی کوششیں کرتیں اور یہ (شہزادہ) **نمازیں** پڑھ پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتا کہ (مجھے ان عورتوں کے فتنے سے بچا) اس دوران جب ایک رات شہزادہ سجدے میں پڑا ہوا اللہ تعالیٰ کے حضور گریہ و زاری

---

(1) یہاں پہنچ کر سنسکرت زبان کے مصنف نے جس کی کتاب کا یہ ترجمہ ہے محض افسانویت اور رنگ آمیزی پیدا کرنے کی غرض سے شہزادے کو اس عورت کے ساتھ شب باش کرایا ہے جو واقعات کے قطعاً خلاف ہے کیونکہ اسی کتاب میں دوسری جگہ شہزادے کو اس قسم کے قبیح افعال سے پاک دامن ظاہر کیا گیا ہے۔ (مرتب)

کر رہا تھا کہ اسے عالم بالا کی سیر کرائی گئی۔ اس کا سر سجدے ہی میں رہا اور روح عالم ثانی میں چلی گئی۔ اس نے دیکھا کہ (دو اسرائیلی زاہد) "مستوقر اور بلوہر" ظاہر ہوئے اور اسے بہشت میں لے گئے۔ اب جو اس نے نظر اٹھا کر دیکھا تو وہاں ایسا نور و سرور تھا اور ایسے عالی شان مکانات و محلات تھے کہ دنیا کی کوئی چیز اس کے سائے کو بھی نہیں پہنچ سکتی تھی اور ایسی حسین و جمیل عورتیں دکھائی گئیں کہ جو عورتیں اس کے اردگرد اکٹھی تھیں وہ ان کے سامنے کچھ حیثیت ہی نہیں رکھتی تھیں بلکہ بہشت کی ان باحیا اور پاکیزہ حوروں کے مقابلے میں یہ عورتیں جو اس کے محل میں جمع کی گئی تھیں کتوں اور سوروں کی ملاؤں سے بھی زیادہ مکروہ صورت' بد ہیئت اور زشت رو معلوم ہوتی تھیں۔ اس کے بعد دنیا کی ان ناپاک طبع اور بد کردار عورتوں میں سے کوئی عورت ایسی نہ تھی جس کی اصل حالت شہزادے کو نہ دکھائی گئی ہو۔ ماؤں کے رحم میں ان کا گندہ نطفہ' ماہواری کی غلاظت' بیماریاں' بڑھاپا' قبر میں جسم کا گلنا سڑنا اور ہڈیوں کا چورا ہو جانا' ان کے تمام عیوب' (زنا وغیرہ) غرض ان سب کی سچی تصویریں اسے اس طرح دکھائی گئیں کہ اس کی آنکھوں میں ہمیشہ کے لئے بس گئیں تاکہ وہ انہیں بھول نہ سکے (اور یہ عورتیں اسے گمراہ نہ کر سکیں) اس کے بعد اسے جنت کی بشارت دی گئی اور وہ مکان دکھلایا گیا جو بہشت میں اس کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ غرض تمام مراتب کا مشاہدہ کرانے کے بعد اس کی روح کو پھر اس کے جسم میں پہنچا دیا گیا۔

جب شہزادے نے سجدے سے سر اٹھایا تو صبح ہو چکی تھی' اور محل کی وہی عورتیں جنہیں شہزادے کو گمراہ کرنے کے لئے جمع کیا گیا تھا یہ سمجھ کر رو پیٹ رہی تھیں کہ وہ مر چکا ہے کیونکہ کتنے ہی گھنٹے گذر چکے تھے اور وہ بے حس و حرکت سجدے میں پڑا ہوا تھا لیکن شہزادہ سجدے سے سر اٹھا کر سیدھا کھڑا ہو گیا اب تو اس کی شکل و صورت پہلے سے بھی زیادہ تاباں و درخشاں اور نورانی تھی۔ ایک بات سب سے زیادہ تعجب انگیز تھی کہ وہ شہزادہ جو اس سے پہلے کبھی نظر اٹھا کر کسی عورت کی طرف نہیں دیکھتا تھا۔ اب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اور حیرت و استعجاب کے عالم میں ان عورتوں کو دیکھ رہا تھا۔ مگر وہ تو ان عورتوں

کی برائیوں کو حیرت کی نگاہوں سے اس لئے دیکھ رہا تھا تاکہ اپنے نفس کو ان سے باز رکھ سکے۔ وہ عورتیں بھی تاڑ گئیں اور سمجھ گئیں کہ یہ ان کے قبضے میں نہیں آئے گا آخر انہوں نے اپنی کوششوں کو موقوف کر دیا۔ (صفحہ نمبر ۲۳۱ تا ۲۳۸)

تشریح:- اس تمثیل میں بڑی لطیف حقیقتیں بیان کی گئی ہیں۔ شہزادہ جسے حسین و جمیل عورتیں گمراہ کرنے کی کوشش کرتی ہیں دراصل وہ خود حضرت مسیحؑ ہیں اور حسین و جمیل عورتیں وہ برائیاں ہیں جن میں اس وقت کے یہودی مبتلا تھے۔ اس تمثیل میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ شیطان نفس انسانی کو گمراہ کرنے کے لئے کیسے کیسے حیلے اختیار کرتا ہے اور کون کون سے حربے استعمال کرتا ہے۔ ان سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے کہ انسان اپنے رب کی طرف متوجہ ہو اور توبہ و استغفار کرے۔ جب بندہ اپنے رب کو اپنی پناہ گاہ بنا لیتا ہے تو وہ بھی اپنے بندے کی طرف توجہ کرتا ہے اور اس کی دستگیری فرماتا ہے' اسے شیطان اور اس کے حربوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ جس طرح اس تمثیل میں شیطان' بادشاہ اور حسین و جمیل عورتوں کے روپ میں آتا ہے اسی طرح کی ایک تمثیل حضرت مسیحؑ نے انجیل مقدس میں بھی بیان فرمائی ہے جو اس طرح ہے:-

> "ابلیس ایک رات اسے (یسوع کو) بہت اونچے پہاڑ پر لے گیا اور دنیا کی سب سلطنتیں اور ان کی شان و شوکت اسے دکھائی اور اس سے کہا کہ اگر تو جھک کر مجھے سجدہ کرے تو یہ سب کچھ تجھے دیدوں گا۔ یسوع نے اس سے کہا کہ اے شیطان! دور ہو کیونکہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر۔" (متی کی انجیل باب نمبر ۴ آیت نمبر ۸ تا ۱۰)

چنانچہ اس تمثیل میں بھی حضرت مسیحؑ نے شیطان کے ان تمام حربوں کو ناکام بنا دیا جو اس نے شاہی عنایات کی صورت میں اختیار کئے تھے' آپؑ انہیں اپنے پیروں کے نیچے مسل کر اپنے رب کے حضور سجدے میں گر گئے پھر آپؑ کو معراج نصیب ہوئی جو روحانی تھی کیونکہ تمثیل میں بتایا گیا ہے کہ ان کا جسم زمین پر رہا اور روح عالم بالا کی سیر کرتی رہی جہاں آپؑ کو جنت کی بشارت دی گئی اور وہ (عالی شان) مکان دکھلایا گیا جو آپؑ کے لئے

بہشت میں تعمیر کیا گیا تھا۔ اس کے بعد آپ ؑ کی روح جسم میں واپس آ گئی۔ جب حضرت مسیح ؑ نے سجدے سے سر اٹھایا تو آپ ؑ کا چہرہ پہلے سے بھی زیادہ نورانی تھا اور کندن کی طرح چمک رہا تھا اور شیطان (جو شاہی عنایات اور حسین و جمیل عورتوں کے روپ میں ظاہر ہوا تھا) مایوس ہو چکا تھا۔ گویا جس طرح حضرت موسیٰ ؑ کو معراج ہوئی تھی، ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو معراج ہوئی تھی اسی طرح یہ حضرت مسیح ؑ کی معراج تھی۔

اس تمثیل میں دو اور باتیں بھی غور طلب ہیں۔ ایک یہ کہ جب شیطان نے یوز آسف (حضرت مسیح ؑ) کے خلاف حسین و جمیل عورتوں والا حربہ استعمال کیا تو وہ (یوز آسف) شیطان کے اس حربے سے محفوظ رہنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوا اور:- "نمازیں پڑھ پڑھ کر (اس فتنے سے بچنے کی دعائیں کرنے لگا)

"بوذ اسف" (یوز آسف) اگر گوتم بدھ یا ان کا کوئی جانشین ہوتا تو اس کے لئے نماز پڑھنے کے الفاظ کبھی استعمال نہ ہوتے۔ نماز صرف حضرت ابراہیم ؑ اور حضرت موسیٰ ؑ کے سلسلے کے لوگ پڑھا کرتے تھے۔ دنیا کی کسی کتاب میں گوتم بدھ، رام چندر جی، سری کرشن جی وغیرہ کے لئے نماز پڑھنے کے الفاظ آج تک کبھی استعمال نہیں کئے گئے۔ پس "بوذ اسف" کا نماز پڑھنا ثابت کرتا ہے کہ وہ سلسلہ ابراہیمی کے پیغمبر حضرت مسیح ؑ ہی تھے۔

دوسری غور طلب بات اس تمثیل میں یہ ہے کہ جن حسین و جمیل عورتوں کو شہزادے کے (یوز آسف) کے محل میں اس غرض سے جمع کیا گیا تھا کہ وہ اسے گمراہ کرنے کی کوشش کریں ان میں سے ایک راجہ کی بیٹی اسے پیش کش کرتی ہے کہ اگر وہ ایک سال تک اس کے ساتھ داد عیش دینے پر رضامند ہو جائے تو راجکماری **"اس کا دین"** قبول کر لے گی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یوز آسف (حضرت مسیح ؑ) کسی ایسے دین کی طرف دعوت دے رہے تھے جو اس وقت ہندوستان کے لوگوں کے لئے نیا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ نیا دین جس کی طرف یہاں کے لوگوں کو دعوت دی جا رہی تھی وہ دین مسیحی تھا اور دعوت دینے والے حضرت مسیح ؑ ہی تھے۔ (مرتب)

حضرت مسیح ؑ کا ایک کشف

اس صحیفے (کتاب بوذاسف و بلوہر) میں ایک تمثیل یوں بیان کی گئی ہے کہ اسی اثناء میں خدا نے یوز آسف (یعنی حضرت مسیح ؑ) کے پاس ایک فرشتہ بھیجا۔ وہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا اور کہا کہ میں تیرے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیکی، سلامتی اور بقا کی بشارت کا تحفہ لے کر آیا ہوں۔ تو جانوروں (کی آبادی) میں ایک انسان، ظالموں کے درمیان ایک قیدی، بدکاروں کے بیچ میں ایک نیکو کار اور جاہلوں کے درمیان ایک حکیم و دانا ہے۔ میں معبود برحق کے پاس سے تیرے لئے دعا و سلام کا مژدہ (بشارت) لے کر آیا ہوں اور تیرے پاس اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ تجھے (بدکاروں کے انجام سے) ڈراؤں، تجھے خوش کروں اور وہ باتیں یاد دلاؤں جن کی طرف ابھی تیری نظر نہیں گئی اور **"اول"** (اس دنیا) **"وسط"** (عالم برزخ) اور **"آخر"** (قیامت اور اس کے بعد کے حالات) کی کیفیات تجھ پر ظاہر کروں پس تو میری ان باتوں کو **بشارت** سمجھ کر قبول کر اور دنیا سے دامن جھاڑ کر الگ ہو جا، اس کی خواہشوں کو اپنے آپ سے دور رکھ اور اس ملک سے کوئی سروکار نہ رکھ جو زائل ہو جانے والا ہے اور نہ اس حکومت کی طرف رغبت کر جو ناپائدار ہے اور جس کا انجام ندامت اور حسرت کے سوائے اور کچھ نہیں بلکہ اس ملک کو تلاش کر جو ہمیشہ تیرے قبضے میں رہے گا اور اس آرام کی جستجو کر جس میں نقص نہیں آئے گا (تجھے بشارت ہو کہ) **تو اس زمانے کا امام و پیشوا ہے۔**

یوز آسف (حضرت مسیح ؑ) فرشتے کی یہ باتیں سن کر بہت خوش ہوئے اور (اظہار تشکر کے طور پر) سجدے میں گر پڑے اور اس کی باتوں پر یقین کیا اور کہا کہ بے شک میں احکام الٰہی کا پیروکار ہوں، اس کی نصیحت کو سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے والوں میں سے ہوں۔ بیان کرو کہ تم میرے لئے کیا حکم لائے ہو، میں تمہارا ممنون ہوں اور جس نے تمہیں میرے پاس بھیجا ہے اس کا شکر گزار ہوں کیونکہ اس نے مجھ پر عنایت کی، رحمت کی نظر کی اور مجھے دشمنوں کے ہاتھ میں نہیں چھوڑا اور میری بے قراری پر توجہ کی۔ (یہ اشارہ

ہے واقعہ صلیب کی طرف۔ مرتب)

فرشتے نے جواب دیا کہ چند روز کے بعد پھر آؤں گا۔ اس کے بعد وہ آپ کو تسلی دے کر چلا گیا (کچھ عرصے کے بعد پھر آپ پر یہی کشفی حالت طاری ہوئی) آدھی رات کے قریب جب لوگ سوئے پڑے تھے فرشتہ پھر نمودار ہوا اور (حضرت مسیحؑ سے) کہا کہ اٹھ کھڑا ہو اور میرے ساتھ چل' حضرت مسیحؑ فرشتے کے ساتھ پاپیادہ چل پڑے۔ آپؑ کا رخ شمال کی طرف تھا۔ چلتے چلتے ایک نہایت پرفضا مقام آیا جو بہت وسیع تھا۔ کیا دیکھا کہ ایک چشمہ ہے جس کے کنارے پر ایک بہت عظیم الشان اور بڑا گھنا درخت ہے۔ یہ بہت خوبصورت درخت تھا جس کی بے شمار شاخیں تھیں جو نہایت سڈول' موزوں' خوش وضع اور خوش قطع تھیں۔ یہ درخت میٹھے پھلوں سے لدا ہوا تھا اور بے شمار پرندے اس کی شاخوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ (یوز آسف یعنی حضرت مسیحؑ) اس منظر سے بہت مسرور ہوا' بہت شوق سے اس درخت کی طرف بڑھا یہاں تک کہ اس کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ اور دل ہی دل میں اس کھلے ہوئے معمے اور بیداری کے خواب کی تعبیر سوچنے لگا۔ آخر اس نے اس منظر کی اس طرح تشریح کی کہ اس درخت کو "بشارت" سے تشبیہ دی جس کی طرف وہ لوگوں کو دعوت دیتا تھا اور چشمے کو علم و حکمت سے اور پرندوں کو ان لوگوں سے تشبیہ دی جو اس کے ذریعے سے دین قبول کرتے ہیں اور وہ مذہب اختیار کرتے ہیں جس کی طرف وہ دعوت دیتا ہے (صفحہ نمبر ۲۴۸ تا ۲۵۲)

ہندوستان میں اعلان نبوت

اسی بیان کے تسلسل میں چند سطروں کے بعد ہی بتلایا گیا ہے کہ یوز آسف (حضرت مسیحؑ) نے ملک کے سربر آوردہ لوگوں کے سامنے ایک تقریر کی اور فرمایا:

اپنے کانوں کو کھولو اور اپنے دلوں کو خیالات پریشاں سے خالی کرو تاکہ خدائی حکمت کو جو روحوں کا نور اور دلوں کا سرور ہے سن سکو اور اس علم سے قوت پاؤ جو سیدھی راہ کا

رہنما ہے اور اپنی عقلوں کو بیدار کرو اور اس فرق کو سمجھو جو حق و باطل اور ہدایت و ضلالت میں ہے۔ جان رکھو کہ یہی دین خدا کا وہ دین ہے جسے اگلے زمانہ میں رسولوں اور نبیوں کی زبان پر اس نے اتارا تھا اور اب خدائے بزرگ و برتر نے مجھے اس زمانہ میں اور اس قرن کے لوگوں کے لئے ان کی حالت پر رحم کر کے انہیں قبر کے عذاب اور جہنم کی آگ سے بچانے کے لئے مخصوص کیا ہے اور سمجھ رکھو کہ کوئی شخص نہ "آسمانی بادشاہت" کو پا سکتا ہے نہ اس میں قدم رکھ سکتا ہے جب تک کہ علم و ایمان اور عمل خیر کی تکمیل نہ کرے اس لئے تم کو چاہئے کہ عمل نیک کے لئے جسموں کو آمادہ کرو اور اس میں کوشش و مشقت کرو تاکہ دائمی راحت اور حیات ابدی تم کو حاصل ہو اور تم میں سے جو کوئی دین پر ایمان لائے اس کا ایمان ہرگز جسمانی حیات کی طمع یا اہل دنیا سے امید یا دنیاوی عطیات کی طلب کی وجہ سے نہ ہو بلکہ ضرور ہے کہ تمہارا ایمان "آسمانی بادشاہت" کے شوق' نفس کی رہائی کی امید اور روحوں کی حیات کی غرض سے ہو' گمراہی و موت سے نجات اور اخروی راحت و خوشی کی طلب کی وجہ سے ہو کیونکہ دنیا کا ملک اور اس کی سلطنت ناپائدار اور اس کی لذتیں بے اعتبار ہیں اور جس نے دنیا کا فریب کھایا وہ ذلیل و خوار ہوا کیونکہ (اسے ایک دن' منصف حقیقی کے سامنے کھڑا ہونا پڑے گا جو فیصلہ نہیں کرنے کا مگر انصاف کے ساتھ اور یہ دنیا تو اہل دنیا سے بہت جلد پھر جاتی ہے اور موت تمہارے جسموں سے لگی ہوئی اور تمہاری جانوں کی تاک میں بیٹھی ہوئی ہے۔ دیکھو ہوشیار رہو کہیں گمراہی میں پڑ کر بدن کے ساتھ روحوں کو بھی ہلاک نہ کر لینا کیونکہ تمہارے نفس تو موت کی صلاحیت رکھتے ہی ہیں اور وہ روحوں کی حکومت میں ہیں اور اچھے کام پہلے سے کر رکھو اور اس مژدہ (**بشارت یعنی انجیل**) کو سچ سمجھو جو میں تمہارے پاس لایا ہوں اور جان لو کہ جس طرح پرندہ زندہ نہیں رہ سکتا اور دشمنوں سے نجات نہیں پا سکتا ہے مگر بینائی اور دونوں بازوؤں اور دونوں ٹانگوں کی قوت سے اسی طرح سے نفوس حیات و نجات پر قادر نہیں ہو سکتے مگر علم' ایمان اور خلوص کے اعمال خیر سے۔ (صفحہ ۲۵۳ تا ۲۵۴)

مسیحؑ کی انجیل ثانی

تشریح :- یوز آسف کے اس آخری ارشاد نے تو پوری طرح ثابت کر دیا کہ ہندوستان میں جو شخص اپنی نبوت کا اعلان کر رہا ہے وہ سوائے حضرت مسیحؑ کے اور کوئی نہیں ہو سکتا کیونکہ اس میں بار بار آسمانی بادشاہت کی طرف دعوت دی گئی ہے اور یہ اصطلاح فلسطین کے دوران قیام حضرت مسیحؑ ہی استعمال کیا کرتے تھے جس سے انجیل بھری پڑی ہے۔ دوسری اہم بلکہ اہم ترین بات یہ ہے کہ جناب یوز آسف (حضرت مسیحؑ) فرماتے ہیں کہ :-

"اس "بشارت" کو صحیح سمجھو جو میں تمہارے پاس لایا ہوں"

آپ کو یہ سن کر حیرت ہو گی کہ بشارت کے معنی ہی انجیل کے ہیں۔ چنانچہ عربی کی مشہور لغت "المنجد" میں انجیل کے معنی یہ بیان کئے گئے ہیں۔

"انجیل یونانی کلمہ ہے جس کے معنی ہیں خوش خبری، بشارت"۔ (عربی نسخے میں لفظ "البشریٰ" استعمال کیا گیا ہے۔)

گویا حضرت مسیحؑ نے بات صاف کر دی اور پوری وضاحت سے اعلان فرما دیا کہ یہ میری انجیل ہے جسے درست اور برحق سمجھ کر قبول کر لو۔

☆☆ ☆☆ ☆☆